الرسالہ

زیر سرپرستی
مولانا وحید الدین خان
صدر اسلامی مرکز

باتوں کو بھلا دینے کی عادت ڈالئے ——
ہر بات کو یاد رکھنا اپنے ذہن کو کباڑ خانہ بنانا ہے

مئی ۱۹۸۶
شمارہ ۱۱۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اُردو، انگریزی میں شائع ہونے والا

الرسالہ

اسلامی مرکز کا ترجمان

شمارہ ۱۱۴ — مئی ۱۹۸۶

فہرست

	صفحہ		صفحہ
قلبی عمل	۲	امتحان کے لیے	۲۱
تربیت کا مہینہ	۳	خود ساختہ اسلام	۲۲
انجام پر غور کرنا	۴	فکری انقلاب	۲۳
عمل باطل	۵	تاریخ ساز عمل	۲۴
تنگ نظری	۸	نصیحت کا اثر	۲۵
اجتماعی مہم	۹	تیسری آنکھ	۲۶
کامیابی کی شرط	۱۰	الفاظ مل گیے	۲۷
شرعی قانون کی حکمت	۱۲	معنی نہ کہ الفاظ	۲۹
اس کے باوجود	۱۵	توہم پرستی	۳۰
مذہب کے دروازہ پر	۱۶	تاریخ کی آواز	۳۱
آہ یہ مسلمان	۱۸	مہر کا مسئلہ	۳۴
بدگمانی	۱۹	ایک گزارش	۴۴
کرنے کا کام	۲۰	خبر نامہ اسلامی مرکز — ۱۹	۴۵

قلبی عمل

غزوۂ تبوک میں کچھ لوگ عذر کی بنا پر شریک نہ ہو سکے تھے۔ ان کی بابت قرآن میں آیا ہے کہ ـــــ ضعیفوں پر اور مریضوں پر اور محتاجوں پر کچھ گناہ نہیں جب کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی خیر خواہی کریں۔ نیکی والوں پر کوئی الزام نہیں۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور نہ ان پر کوئی گناہ ہے کہ جب وہ تمہارے پاس آئے تاکہ تم ان کو سواری دو، تم نے کہا کہ میرے پاس کوئی چیز نہیں کہ میں تم کو سواری کے لیے دوں، وہ واپس ہوئے اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، اس غم میں کہ ان کے پاس کوئی چیز نہیں جس کو وہ خرچ کریں۔ (التوبہ) محمد بن اسحاق کی روایت ہے کہ یہ سات افراد تھے جو انصار کے گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اس سلسلہ میں ایک روایت ان الفاظ میں آئی ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقد خلفتم بالمدینۃ اقواماً ما انفقتم من نفقۃ ولا قطعتم وادیا ولا نلتم من عدو نیلا الا و قد شرکوکم فی الاجر (قالوا وھم بالمدینۃ قال نعم حبسھم العذر)

(تفسیر ابن کثیر الجزء الثانی، صفحہ ۳۸۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم نے مدینہ میں ایسے لوگ چھوڑے ہیں کہ تم نے جو بھی خرچ کیا تم نے جو وادی بھی طے کی، اور تم نے دشمن پر جو کامیابی بھی حاصل کی، ان سب کے اجر میں وہ شریک تھے صحابہ نے کہا کہ اگرچہ وہ مدینہ میں تھے۔ آپ نے فرمایا ہاں، ان کو عذر نے روک دیا۔

آدمی نہ کر کے بھی کرنے والوں کے اجر میں شریک ہو سکتا ہے۔ بظاہر کچھ نہ پا کر بھی اس کا شمار ان لوگوں میں کیا جا سکتا ہے جنھوں نے بہت کچھ پایا۔ ایسا کیوں کر ہوتا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ جس کام میں ہم عملاً شریک نہ ہو سکے اس میں ہم جذبہ کے اعتبار سے شریک ہو جائیں۔ کسی کو اپنے سے بڑا دیکھیں تو اس پر حسد کرنے کے بجائے اس کی بڑائی کا اعتراف کر لیں۔ کسی کے پاس ہم سے زیادہ مال ہو تو ہم دل سے یہ چاہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کے اندر شکر کا جذبہ پیدا کرے اور اس کو حقوق کی ادائیگی کی توفیق دے۔ کسی کو "مقرر" کے اسٹیج پر جگہ مل جائے اور ہم صرف "سامع" بنے ہوئے ہوں تو ہم اس کے لیے دعا کریں کہ خدایا تو اس کو توفیق دے کہ اس کی زبان سے جو کچھ نکلے حق نکلے اس کی زبان ناحق بولنے سے محفوظ رہے۔

تربیت کا مہینہ

رمضان کے مہینہ کو حدیث میں صبر کا مہینہ (شھر الصبر) کہا گیا ہے۔ قرآن کے مطابق رمضان کا مہینہ تقویٰ کے لیے مقرر کیا گیا ہے (البقرہ ۱۸۳)۔ اس کا مطلب کیا ہے۔ صبر اور تقویٰ دین کے وہ تقاضے ہیں جو ہر روز اور سارے سال مطلوب ہیں۔ پھر ان کو رمضان کے مہینہ کے ساتھ کیوں خاص کیا گیا۔

اس کی وجہ رمضان کے مہینہ کی تربیتی اہمیت ہے۔ تقویٰ اور صبر دین کا عمومی حکم ہے۔ وہ ہر مسلمان سے پورے سال اور پوری زندگی کے لیے مطلوب ہے۔ اسی عمومی مطلوب کو ایک مہینہ میں خصوصی شدت اور اہتمام کے ساتھ ادا کرایا جاتا ہے تاکہ وہ لوگوں کے مزاج میں داخل ہو جائے۔ لوگ نفسیاتی طور پر اس قابل ہو جائیں کہ وہ سال کے بقیہ مہینوں میں اس کو اپنی زندگی کے معاملات میں برتتے رہیں۔

رمضان کے مہینہ میں ایک مقرر نظام کے تحت یہ کوشش کی جاتی ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اللہ کا خوف ابھرے۔ ان کے اندر یہ مزاج پیدا ہو کہ وہ اس دنیا میں صبر اور تقویٰ کے ساتھ رہنا سیکھیں۔ یعنی خواہش کے باوجود ایک چیز کو نہ کھائیں۔ نفس کے تقاضے کے باوجود ایک کام کو نہ کریں۔ وہ ہر حال میں دین کے تقاضوں پر قائم رہیں، خواہ اس کی خاطر انھیں ناموافق باتوں کو برداشت کرنا پڑے۔ خواہ اس کی خاطر انھیں وہ چیز چھوڑنا ہو جس کو چھوڑنا انھیں کسی حال میں پسند نہیں۔

رمضان کا مہینہ اسی شعور اور اسی احساس کو جگانے کے لیے ایک قسم کا ہنگامی کورس ہے۔ سال کے ایک مہینہ میں صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک ایک مقرر نظام کے تحت لوگوں کو عبادت اور اطاعت کے کاموں میں مشغول رکھا جاتا ہے۔ اس طرح آدمی کے اندر یہ احساس زندہ کیا جاتا ہے کہ وہ خدا کے بتائے ہوئے وقت پر سوئے اور خدا کے بتائے ہوئے وقت پر جاگے۔ وہ خدا کے حکم سے کھائے اور خدا کے حکم سے نہ کھائے۔ وہ خدا کے کہنے سے کرے اور خدا کے روکنے سے رک جائے۔ یہ چیزیں ایک بندہ سے ہر روز مطلوب ہیں۔ مگر چند خاص دنوں میں ان کو نظام کے زور پر کرایا جاتا ہے تاکہ اس کے ذریعہ سے وہ اس قابل ہو جائے کہ بعد کے دنوں میں وہ ان کو اپنی طبیعت کے زور پر کر سکے۔

انجام پر غور کرنا

جاء رجل الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال : یارسول اللہ اوصنی ، فقال : امستوصٍ انت ۔ فقال نعم ۔ قال علیہ الصلوٰۃ والسلام : اذا ھممت بامر فتدبر عاقبتہ ۔ فان کان رشداً فامضہ وان کان غیا فانتہ عنہ

ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اس نے کہا کہ اے خدا کے رسول، مجھے نصیحت کیجئے۔ آپ نے فرمایا، کیا تم واقعۃً نصیحت لینا چاہتے ہو اس نے کہا۔ ہاں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جب تم کسی کام کا ارادہ کرو تو اس کے انجام پر غور کرو۔ اگر اس میں بھلائی ہو تو اس کو کرو۔ اور اگر اس میں برائی ہو تو اس سے رک جاؤ۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہر کام کو اس کے انجام کے اعتبار سے دیکھنا چاہیے۔ جو چیز باعتبار انجام ٹھیک ہو اس کو کرنا اور جو چیز باعتبار انجام ٹھیک نہ ہو اس کو نہ کرنا، یہ اسلام کا طریقہ ہے اور یہی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو سکھایا ہے۔

عام طور پر لوگوں کا مزاج یہ ہے کہ وہ چیزوں کو محض ان کی ظاہری صورت (Face value) کے اعتبار سے دیکھتے ہیں اور بس فوراً اس میں کود پڑتے ہیں۔ مگر یہ سراسر غیر اسلامی طریقہ ہے۔ اسلامی طریقہ یہ ہے کہ چیزوں کو ان کی حقیقت کے اعتبار دیکھا جائے نہ کہ محض ظاہر کے اعتبار سے۔

جب بھی کوئی معاملہ سامنے آئے تو اقدام کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ اس کے تمام پہلوؤں کا بھرپور جائزہ لیا جائے۔ خاص طور پر یہ غور کیا جائے کہ اگر اقدام کیا جاتا ہے تو دوسروں کا ردعمل کیا ہوگا۔ کن طاقتوں سے مقابلہ پیش آئے گا۔ کن مسائل سے نمٹ کر اپنا سفر جاری رکھنا ہوگا۔ اقدام کے نفسیاتی، سماجی اور سیاسی اثرات کیا ہوں گے۔ تمام ضروری پہلوؤں کا جائزہ لینے کے بعد صرف اس وقت اقدام کیا جائے جب کہ یہ یقین ہو جائے کہ یہ اقدام مفید اور صحیح نتیجہ پر پہونچنے والا ہے۔

اقدام صرف وہ ہے جو نتیجہ خیز ہو۔ جو اقدام نتیجہ خیز نہ ہو، وہ اقدام نہیں، خودکشی ہے۔ ایسے اقدام سے پرہیز کرنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا خودکشی سے پرہیز کرنا۔

عملِ باطل

شریعت میں جو چیزیں حرام ہیں ان میں سے ایک وہ ہے جس کو قرآن میں " اکل اموال الناس بالباطل " کہا گیا ہے ۔ اس سلسلہ میں قرآن میں چار واضح آیتیں آئی ہیں ۔ سورۂ نساء (آیت ۲۹) میں کہا گیا ہے کہ اے ایمان والو، آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طور پر نہ کھاؤ اِلّا یہ کہ کوئی تجارت ہو جو باہمی رضامندی سے کی جائے ۔ سورہ نساء (آیت ۱۶۱) میں ارشاد ہوا ہے کہ یہود کو اس لیے سخت سزا میں مبتلا کیا گیا کہ وہ لوگوں کے مال ناحق طریقے سے کھاتے تھے ۔ سورہ توبہ (آیت ۳۴) میں کہا گیا ہے کہ اے ایمان والو، یہودیوں کے اکثر علماء اور مشائخ لوگوں کے مال ناحق طور پر کھاتے ہیں، ایسے لوگوں کے لیے سخت عذاب ہے ۔ (اس لیے تم ایسا مت کرنا)

اسی عملِ باطل کی ایک صورت وہ ہے جس کا ذکر سورہ بقرہ (آیت ۱۸۸) میں ہے ۔ اس کے الفاظ یہ ہیں : ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل وتدلوا بھا الی الحکام لتاکلوا فریقاً من اموال الناس بالاثم وانتم تعلمون ۔ سورہ بقرہ کی اس آیت کا ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی کے الفاظ میں حسب ذیل ہے :

اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طور پر مت کھاؤ اور ان کے جھوٹے مقدمہ کو حکام کے یہاں اس غرض سے رجوع مت کرو کہ اس کے ذریعہ سے لوگوں کے مالوں کا ایک حصہ بطریق گناہ یعنی ظلم کے کھا جاؤ ۔ اور تم کو اپنے جھوٹ اور ظلم کا علم بھی ہو ۔

اقوالِ مفسرین

اس آیت کی نہایت واضح تشریح حدیث اور آثار میں موجود ہے ۔ تفسیروں میں اسے دیکھا جا سکتا ہے ۔ مفسر ابن کثیر نے اس آیت کے تحت جو کچھ لکھا ہے اس کا پورا ترجمہ ہم یہاں نقل کرتے ہیں :

علی بن ابی طلحہ نے کہا اور عبداللہ بن عباس نے بھی کہ یہ آیت ایسے آدمی کے بارے میں ہے جس کے پاس کسی کا مال ہو اور اس مال کو لینے کے لیے اس کے پاس کوئی ثبوت نہ ہو پھر بھی وہ

مال کی ادائیگی سے انکار کرے۔ اور وہ حاکموں کی طرف مقدمہ لے جائے حالاں کہ وہ جانتا ہو کہ حق اس کے خلاف ہے اور وہ جانتا ہو کہ وہ گنہ گار ہے اور وہ حرام کو کھانے والا ہے۔ اور ایسا ہی قول مروی ہے مجاہد سے اور سعید بن جبیر سے اور عکرمہ سے اور حسن سے اور قتادہ سے اور سُدی سے اور مُقاتل بن حیان سے اور عبدالرحمان بن زید بن اسلم سے، انھوں نے کہا کہ تم کسی سے جھگڑا نہ کرو جب کہ تم جانتے ہو کہ تم ظالم ہو۔ اور صحیحین میں ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سنو، بے شک میں ایک انسان ہوں اور میرے پاس جھگڑا آتا ہے۔ پس ہو سکتا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے مقدمہ کو پیش کرنے میں دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ زبان آور ہو اور میں اس کے حق میں فیصلہ کر دوں تو میں جس شخص کو کسی مسلمان کا حق دے دوں تو بے شک وہ آگ کا ایک ٹکڑا ہے، تو وہ چاہے اس کو لے جائے یا وہ اس کو چھوڑ دے۔

اور یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ حاکم کا فیصلہ کسی چیز کو حقیقت میں نہیں بدلتا۔ وہ کسی حرام کو حلال نہیں کر سکتا۔ جب کہ وہ حقیقۃً حرام ہو اور وہ کسی حلال کو حرام نہیں کر سکتا جب کہ وہ حقیقۃً حلال ہو۔ اور قاضی ظاہر کا پابند ہوتا ہے۔ اگر اس کا فیصلہ حقیقت کے مطابق ہو جائے تو ٹھیک ہے ورنہ حاکم کے لیے اس کا اجر ہے اور حیلہ ساز کے اوپر اس کا بوجھ۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا (اور تم آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ اور اس کو حکام تک نہ لے جاؤ تاکہ تم لوگوں کے مال کا ایک حصہ بہ طریق گناہ کھاؤ حالاں کہ تم جانتے ہو) یعنی تم اپنے دعویٰ کے باطل ہونے کو جانتے ہو مگر اپنے کلام میں اس کو گڈمڈ کرتے ہو۔

قتادہ نے کہا اے انسان جان لے کہ قاضی کا فیصلہ تمہارے لیے کسی حرام کو حلال نہیں کرتا۔ اور تم کو باطل کا حقدار نہیں بناتا۔ اور قاضی تو اس پر فیصلہ کرتا ہے جو اس نے دیکھا اور جو اس کے سامنے گواہی دی گئی۔ قاضی ایک انسان ہے، وہ صحیح بھی ہوتا ہے اور غلطی بھی کرتا ہے اور جان لو کہ جس شخص کے حق میں باطل کا فیصلہ کیا جائے اس کا مقدمہ ختم نہ ہوگا یہاں تک کہ اللہ دونوں فریقوں کو قیامت میں جمع کرے۔ پھر اللہ حق دار کے لیے بے حق والے کے اوپر اس سے بہتر فیصلہ کرے گا جو فیصلہ قاضی نے حق دار کے خلاف بے حق والے کے لیے دنیا میں کیا تھا۔ (تفسیر ابن کثیر، الجزء الاول، صفحہ ۲۲۵)

تشریح

مذکورہ آیت میں لاتأکلوا (نہ کھاؤ) کا لفظ ہے۔ علماء نے تصریح کی ہے کہ اکل یہاں لفظی معنی میں نہیں ہے۔ یعنی اس سے مراد صرف کھانا نہیں، بلکہ یہ ایک تعبیر ہے اور اس سے مراد کسی بھی چیز کو اپنے قبضہ اور تصرف میں لے آنا ہے (عبّر بہ الاخذ والاستیلاء، البحر المحیط) اسی طرح باطل کی تشریح صاحبِ روح المعانی نے ان الفاظ میں کی ہے: والمراد بالباطل الحرام وکل مالم یأذن باخذہ الشرع۔ (باطل کا مطلب حرام ہے اور ہر وہ چیز جس کے لینے کی اجازت شریعت نے نہ دی ہو)

انسان کو جو چیز جائز طور پر نہ ملے اس کو وہ ناجائز طور پر حاصل کرنا چاہتا ہے۔ مذکورہ آیت میں اسی ذہنیت کو غلط اور حرام قرار دیا گیا ہے۔

انسان کا حال یہ ہے کہ جو مال شرعی طور پر اس کا حق نہ ہو اس کو وہ غیر شرعی کارروائیوں کے ذریعہ اپنے قبضہ میں لینا چاہتا ہے۔ جو چیز اس کو انصاف کے ذریعہ نہ ملے اس کو وہ دھاندلی کے ذریعہ حاصل کرنے کی تدبیر کرتا ہے۔ جس چیز کے متعلق اس کو اندیشہ ہو کہ وہ سچ بول کر اس کو نہیں پائے گا اس کے لیے وہ کوشش کرتا ہے کہ وہ جھوٹ بول کر اس کا مالک بن جائے۔

انسان کا یہ مزاج اس کی زندگی کے ہر معاملہ میں ظاہر ہوتا ہے۔ جس عہدہ پر وہ پرامن طور پر قابض نہ ہو سکا اس پر وہ تخریب کاری کے ذریعہ قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ جو چیز شرافت کا طریقہ اختیار کر کے نہ ملے اس کو وہ کمینگی کا طریقہ اختیار کر کے حاصل کرتا ہے۔ جہاں حقیقی اشو پر قیادت نہ مل رہی ہو وہاں وہ جھوٹے اشو کھڑا کرتا ہے تاکہ وہ کسی نہ کسی طرح قوم کے اوپر قائد بن جائے۔ جو چیز روایات کے دائرہ میں ملتی ہوئی نظر نہ آئے اس کو وہ روایات کو توڑ کر حاصل کرنے کا منصوبہ بناتا ہے خواہ اس کے نتیجہ میں ساری انسانی زندگی فساد کی شکار ہو کر رہ جائے۔

یہ سب وہ چیزیں ہیں جن سے اللہ نے منع فرمایا ہے اور جو شخص اللہ کی پکڑ سے بچنا چاہتا ہو اس کے لیے لازم ہے کہ وہ ان چیزوں سے بچے۔ وہ وہی لے جو شریعت کے مطابق اس کا حق ہے اور وہ نہ لے جو شریعت کے اس کا حق نہیں۔

تنگ نظری

لاروشے فوکالڈ (La Rochefoucauld) کا قول ہے کہ معمولی ذہن کے لوگ عام طور پر ہر اس چیز کو بُرا کہنے لگتے ہیں جو ان کی چھوٹی قامت سے زیادہ ہو :

Mediocre spirits generally condemn everything that exceeds their small stature.

انسان کی یہ عام کمزوری ہے کہ وہ ہر چیز کو اپنی ذات کے لحاظ سے ناپتا ہے۔ جو چیز اس کی بڑائی میں اضافہ کرے یا کم از کم اس کی بڑائی کو باقی رکھے اس کا وہ پرجوش طور پر حامی بن جاتا ہے اس کے برعکس جو چیز اس کو اپنی بڑائی کے لیے خطرہ نظر آئے اس کا وہ دشمن بن جاتا ہے، خواہ وہ بجائے خود کتنی اچھی چیز کیوں نہ ہو۔

عربی درس گاہوں میں عام طور پر قدیم معقولات کا کورس شامل رہتا ہے۔ یہ گویا معقولات کے نام پر نامعقولات ہے۔ کیوں کہ معقولات کے نام سے یہاں جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں اُن کا حقیقی عقلیات سے کوئی تعلق نہیں۔ عربی مدارس میں معقولات کا نصاب مکمل کرنے کے بعد بھی آدمی اس قابل نہیں ہوتا کہ وہ آج کی دنیا میں پڑھے لکھے لوگوں کے درمیان اسلام کو مدلل انداز میں پیش کر سکے۔

ایک عربی درس گاہ کے انتظامی ارکان نے متفقہ طور پر یہ فیصلہ کیا کہ اس کے نصاب سے قدیم معقولات کی تمام کتابیں خارج کر دی جائیں اور جدید علمی معیار کے مطابق معقولات کا نیا نصاب بنایا جائے۔ تاہم عملاً اس کو اختیار نہ کیا جا سکا۔ کیوں کہ درس گاہ کے شیخ المعقولات نے اس کی زبردست مخالفت کی۔ اور وہ چوں کہ اس درس گاہ کے انتہائی سینیر استاد تھے ان کی بات لوگوں کو ماننی پڑی۔

اس مخالفت کا سبب یہ تھا کہ مذکورہ بزرگ صرف قدیم معقولات کے ماہر تھے۔ وہ جدید معقولات سے بالکل بے خبر تھے۔ ان کو اندیشہ ہوا کہ درس گاہ میں اگر قدیم معقولات کو ختم کیا گیا تو اس کے بعد ان کی اہمیت ختم ہو جائے گی۔ اس کے بعد ان کی مثال اس اردو ٹیچر کی ہو جائے گی جو اپنے آپ کو ایک ایسے اسکول میں پائے جہاں ذریعہ تعلیم صرف روسی زبان ہو۔

اجتماعی مہم

قرآن میں اہل ایمان کی یہ خصوصیت بتائی گئی ہے کہ وہ جب رسول (بالفاظ دیگر امور مسلمین کے ذمہ دار) کے ساتھ کسی امر جامع پر ہوں تو بلا اجازت وہاں سے اٹھ کر نہیں جاتے، یہاں امر جامع سے مراد اجتماعی معاملہ ہے۔ یعنی دین کا ایسا کام جس کے لیے مشترکہ عمل ضروری ہو۔ اور "اجازت" کا ذکر بطور علامتی واقعہ کے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دین کے اجتماعی کام سے آدمی کو اسی طرح گہری وابستگی ہونی چاہیے جو اس کو اپنے ذاتی کام سے ہوتی ہے۔

جس کام سے آدمی کے ذاتی فائدے وابستہ ہوں، جس کا تعلق براہ راست اس کی شخصی مصلحتوں سے ہو۔ وہاں ذاتی فائدہ خود ہی وہ طاقت ور محرک بن جاتا ہے جو آدمی کو اس کام سے جوڑے اور اس کو اس وقت تک اس سے جدا نہ ہونے دے جب تک اس کو یہ یقین نہ ہو جائے کہ جو کام مطلوب تھا وہ انجام پا چکا ہے۔ ذاتی کام کو آدمی اپنی ذمہ داری سمجھتا ہے اس لیے آدمی اس کو کیے بغیر نہیں چھوڑتا۔ مگر جس کام کا تعلق مشترک اجتماعی معاملات سے ہو اس کو آدمی دوسروں کی ذمہ داری سمجھ لیتا ہے۔ ایسے کام کے لیے آدمی کے اندر طاقت ور شخصی محرک نہیں ابھرتا۔ اس لیے عام آدمی اس کو اپنے لیے بوجھ سمجھتا ہے۔ ایسے کام میں بھرپور دلچسپی کے لیے ضروری ہے کہ آدمی کے اندر گہرا اجتماعی شعور موجود ہو۔ وہ اجتماعی مفاد کو اسی طرح اہمیت دینے لگے جس طرح وہ ذاتی مفاد کو اہمیت دیتا ہے۔

مومن سے یہ مزاج مطلوب ہے کہ جب بھی اسلام کا کوئی اجتماعی تقاضا ہو تو وہ دل کی پوری آمادگی کے ساتھ اس کے لیے دوڑ پڑے۔ وہ آخر وقت تک بھرپور طور پر اس میں شریک رہے۔ ایسا آدمی جب امیر اجتماع سے اجازت مانگتا ہے تو وہ فرار کے جذبہ کے تحت نہیں ہوتا۔ بلکہ حقیقی سبب کے تحت ہوتا ہے۔ اس لیے فرمایا کہ اگر ممکن ہو تو اس کو اجازت دے دو۔ تاہم اجازت دینا اور اجازت مانگنا دونوں اس روح کے ساتھ ہونا چاہیے کہ دونوں ایک دوسرے کے حق میں دعا کرتے ہوئے ایک دوسرے سے جدا ہوں۔ دونوں کی زبان سے وہ دعائیہ کلمہ نکلے جو حقیقی خیر خواہی کا تقاضا ہے۔

کامیابی کی شرط

آدمی خارجی دنیا کی جو معلومات حاصل کرتا ہے اس کا ۸۰ فی صد حصہ اس کو آنکھ کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔ خدا جب سورج کے ذریعہ دنیا میں روشنی پھیلاتا ہے تو گویا وہ اس بات کا امکان کھولتا ہے کہ آدمی اپنی آنکھ سے دنیا کی چیزوں کو دیکھے اور اپنے معلومات کے ذخیرہ میں اضافہ کرے۔ مگر اس امکان سے فائدہ اٹھانا ایک شرط کے ساتھ بندھا ہوا ہے۔ وہ شرط یہ کہ آدمی اپنی آنکھ کو کھولے۔ اگر آدمی اپنی آنکھیں بند کرلے تو سورج کی کامل روشنی کے باوجود وہ کچھ بھی نہ دیکھے گا۔ اس کی معلومات میں ایک فی صد اضافہ بھی نہ ہوگا۔

اسی طرح خدا جب ہوا کو چلاتا ہے تو گویا وہ اس بات کا امکان کھولتا ہے کہ آدمی اس سے آکسیجن لے اور اپنے لیے زندگی کا سامان کرے۔ مگر آکسیجن کو پانے کی یہ شرط ہے کہ آدمی اس کو فطرت کے مقرر راستہ سے اپنے اندر داخل ہونے دے۔ جو آدمی اس شرط کو پورا نہ کرے اس کے لیے آکسیجن سے لدی ہوئی ہواؤں کا چلنا اور نہ چلنا برابر ہوگا۔ وہ ان سے کچھ بھی فائدہ حاصل نہ کرسکے گا۔

فطرت کا یہی اصول انسانی زندگی کا اصول بھی ہے۔ انسانی زندگی میں کامیاب ہونے کا اصول بھی وہی ہے جو فطرت کی دنیا میں خدا نے قائم کر رکھا ہے۔

کامیابی کیا ہے۔ کامیابی مواقع کو استعمال کرنے کا دوسرا نام ہے۔ ہمیشہ ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کے سامنے کچھ مواقع کھلتے ہیں۔ اگر وہ ان مواقع کو استعمال کرے تو یقینی طور پر وہ کامیابی کی منزل تک پہونچ سکتا ہے۔ اور اگر وہ ان مواقع کو استعمال کرنے میں غفلت کر جائے تو اسی کے نتیجہ کا دوسرا نام ناکامی ہے۔ یہی اس دنیا کے لیے خدا کا ابدی اصول ہے۔

تاہم ہر موقع اپنے ساتھ کچھ شرطیں لیے ہوئے ہوتا ہے۔ اس شرط کو ملحوظ رکھ کر ہی آپ اس موقع سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اگر آپ متعلقہ شرط کو ملحوظ رکھنے میں ناکام رہیں تو آپ اس موقع کا فائدہ اٹھانے میں بھی ناکام رہیں گے۔ یہ دنیا خود اپنے اصولوں پر قائم ہے۔ دنیا کبھی ہماری خواہشوں کی پابندی نہیں کرے گی۔ بلکہ ہمیں اپنے آپ کو دنیا کے قائم شدہ اصولوں کا پابند بنانا پڑے گا۔ یہی موجودہ دنیا میں کامیابی

کا واحد راز ہے۔ اس کے سوا کوئی اور طریقہ نہیں جس سے یہاں کامیابی حاصل کی جا سکے۔

ایک مثال لیجئے۔ موجودہ زمانہ میں ایک بہت بڑا امکان کھلا ہے جو اس سے پہلے کبھی دنیا میں اس وسعت کے ساتھ موجود نہ تھا۔ یہ ہے آزادئ رائے کا حق۔ موجودہ دور معلوم تاریخ کا پہلا دور ہے جب کہ عالمی سطح پر یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ ہر آدمی کو یہ حق ہے کہ وہ اپنی پسند کا عقیدہ رکھے۔ اور اگر وہ اپنے عقیدہ کی تبلیغ کرنا چاہتا ہے تو دوسروں میں اس کی تبلیغ کرے۔ عقیدہ اور اظہارِ رائے کی یہ آزادی موجودہ زمانہ میں کامل طور پر ہر شخص کو حاصل ہے۔ اس میں کمیونسٹ ملکوں کے سوا کسی ملک کا کوئی استثنا نہیں۔

تاہم یہ آزادی پر امن ذرائع (Peaceful means) کی شرط کے ساتھ مشروط ہے۔ یعنی آپ جو کچھ کریں سمجھانے بجھانے کے انداز میں کریں۔ زور زبردستی کے انداز میں نہ کریں۔ اگر آپ اس شرط پر قائم ہوں تو آج کی دنیا میں اپنے عقیدہ اور نظریہ کی تبلیغ سے آپ کو کوئی روکنے والا نہیں۔

"پر امن ذرائع" کی شرط کوئی غیر متعلق شرط نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ شرط خود مذکورہ اصولِ آزادی ہی کا ایک لازمی حصہ ہے۔ کیوں کہ یہ آزادی کسی ایک شخص کے لیے نہیں ہے بلکہ ہر شخص کے لیے ہے۔ اور جب ہر شخص کو یکساں آزادی دی جائے تو پر امن ذرائع کی شرط لازمی طور پر مطلوب ہو جاتی ہے۔ کیوں کہ کسی شخص کا غیر پر امن ذریعہ اختیار کرنا یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ دوسرے شخص کی آزادی چھین رہا ہے۔ اس طرح غیر پر امن ذرائع کا طریقہ آزادی کا الٹا ہو جاتا ہے۔ وہ اس کی نفی بن جاتا ہے وہ ایک کے حق میں آزادی اور دوسرے کے حق میں پابندی بن جاتا ہے۔ ایسی حالت میں کیوں کر ممکن ہے کہ لوگوں کو اس کی اجازت دی جائے۔

اس جدید انقلاب نے موجودہ زمانہ میں اسلامی دعوت کے حق میں ایسے امکانات کھول دیئے ہیں جو اس سے پہلے تاریخ میں کبھی پائے نہیں جاتے تھے۔ تاہم اس امکان کو حاصل کرنے کی ہمیں ایک لازمی قیمت دینی پڑے گی۔ وہ یہ کہ ہم اپنے آپ کو کامل طور پر پر امن ذرائع کے دائرہ میں محدود رکھیں۔ اگر ہم اس لازمی شرط کو پورا کرنے میں ناکام رہیں تو یقینی طور پر ہم موجودہ مواقع کو استعمال کرنے میں بھی ناکام رہیں گے۔ اگر ہم مذکورہ شرط کو پورا نہ کرنے کی وجہ سے اس امکان سے فائدہ نہ اٹھا سکیں تو ہم اللہ کے یہاں مجرم ٹھہریں گے خواہ بظاہر خود ہم نے دوسروں کو مجرم ٹھہرا رکھا ہو۔

شرعی قانون کی حکمت

اسلامی قانون میں چور کے لیے یہ سزا رکھی گئی ہے کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے تاکہ آئندہ لوگ اس کے شر سے محفوظ ہو جائیں اور اس کے انجام کو دیکھ کر دوسروں کو سبق حاصل ہو (مائدہ - ۳۸)

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ ایک بے رحمانہ قانون ہے۔ کسی معاشرہ میں اس پر عمل کیا جائے تو وہاں بے شمار لوگ بے ہاتھ ہو جائیں گے اور پورا معاشرہ بے کار معاشرہ بن کر رہ جائے گا۔ مگر یہ ایسی ہی بات ہے جیسے کوئی کہے کہ میڈیکل سائنس کا یہ نظریہ غلط ہے کہ کسی عضو میں سپٹک ہو جائے تو اس کو فوراً کاٹ دینا چاہیے۔ میڈیکل سائنس کے اس نظریہ کے عملی رواج کے باوجود اگر تمام لوگ بغیر ہاتھ پاؤں کے نہیں ہو گیے ہیں تو چوری کے بارہ میں اسلامی قانون کی وجہ سے لوگ بے ہاتھ کیوں ہو جائیں گے۔

یہ کوئی فرضی بات نہیں ہے۔ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں جب کہ اس قانون کو نافذ کیا گیا، دور نبوت سے لے کر خلافت راشدہ کے خاتمہ تک صرف چھ آدمیوں کے ہاتھ کاٹے گیے اور ساری مسلم سلطنت میں امن قائم ہو گیا۔ موجودہ زمانہ میں سعودی عرب میں یہ قانون نافذ ہے۔ مگر برسوں گزر جاتے ہیں اور ایک ہاتھ کاٹنے کی نوبت بھی نہیں آتی۔ وجہ یہ ہے کہ یہ قانون اپنے اندر چوری کو روکنے کی خاصیت (Deterrent Value) رکھتا ہے۔ قطع ید کے حکم کا مطلب ہاتھ کاٹنے سے زیادہ یہ ہے کہ لوگوں میں دہشت پیدا ہو جائے اور کوئی شخص چوری کرنے کی ہمت ہی نہ کرے۔ یہ فائدہ اسلام کے قانونی نظام میں پہلے بھی حاصل ہوا اور آج بھی حاصل ہو رہا ہے۔

معاشرہ کو بے کار کرنے کا اعتراض زیادہ صحیح طور پر موجودہ قوانین پر عاید ہوتا ہے۔ ان قوانین میں چوری کی ہلکی سزا ہونے کی وجہ سے مجرموں کی حوصلہ شکنی نہیں ہوتی۔ نتیجہ یہ ہے کہ چوری کی وارداتیں بے حد بڑھ جاتی ہیں اور بے شمار لوگ چوری کے جرم میں پکڑ کر قید میں ڈال دیئے جاتے ہیں۔ اس طرح ہزاروں لوگوں کو عمل کے میدان سے ہٹا کر ان کو قوم کے اوپر بوجھ بنا دیا جاتا ہے۔ جب کہ شریعت کے مطابق چند آدمیوں کا ہاتھ کاٹ کر ہمیشہ کے لیے امن کی فضا پیدا ہو جاتی ہے۔ لوگ اپنے آپ کو محفوظ سمجھنے لگتے ہیں۔ نتیجۃً سماج کے عمل میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ چند لوگوں کو سخت سزا دے کر سارے معاشرہ کو مستقل طور پر تحفظ کا احساس دے دیا جائے، یہ اس سے بہتر ہے کہ چند لوگوں کی خاطر مستقل طور پر معاشرہ سے

تحفظ کا احساس ختم کر دیا جائے۔

یورپ اور امریکہ کے حالات نے اس نظریہ کو غلط ثابت کیا ہے کہ مادی فراوانی سے چوری خود بخود ختم ہو جائے گی۔ ترقی یافتہ ملکوں میں چوری کے واقعات غیر ترقی یافتہ ملکوں سے کم نہیں۔ البتہ شکلیں مختلف ہیں۔ پس ماندہ ملک کا ایک شخص دیہاتی چودھری کے مکان میں نقب لگاتا ہے اور امریکہ میں وہ بنک کے اوپر ڈاکہ ڈالتا ہے۔

قطع ید کی سزا نہ صرف سماج کو امن کی ضمانت دیتی ہے بلکہ ایک چور کا ہاتھ کاٹنا بہت سے لوگوں کو اس انجام سے بچاتا ہے کہ ان کے ہاتھ پاؤں انتہائی بے رحمی کے ساتھ کاٹ ڈالے جائیں۔ چور اور ڈاکو جب کسی کا مال لوٹنے آتے ہیں تو وہ صرف مال نہیں لوٹتے، بلکہ صاحب مال پر بھی حملہ کرتے ہیں اور کبھی ان کو ہلاک کر ڈالتے ہیں، کبھی ناکارہ بنا کر چھوڑ دیتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر چور کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں تب بھی لوگوں کے ہاتھ پاؤں کٹتے رہیں گے اور دوسری صورت میں کٹنے کی تعداد یقینی طور پر پہلی صورت سے کہیں زیادہ ہوگی۔ جیسا کہ دنیا بھر کے تجربہ سے ثابت ہوا ہے۔

قطع ید کے حکم کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بس "چوری" کی واردات ہوئی اور فوراً آدمی کا ہاتھ کاٹ دیا گیا انسانی زندگی میں کوئی واقعہ بے شمار عوامل کے تحت ہوتا ہے اس لیے کسی متعین واقعہ پر حکم لگانے کے لیے سارے پہلوؤں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ حتیٰ کہ شریعت کا منشا یہ ہے کہ ایک قاضی کا معاف کرنے میں غلطی کر جانا اس سے بہتر ہے کہ وہ سزا دینے میں غلطی کر جائے۔

چوری کی دو بڑی قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو مجرمانہ ذہنیت کے تحت کی جاتی ہے۔ دوسری وہ جو ضرورتاً کسی سے کبھی صادر ہو جاتی ہے۔ دوسری قسم کی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ مثلاً بھوک سے چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اسی طرح باپ کا بیٹے کے مال سے یا بیٹے کا باپ کے مال سے لینے پر بھی نہیں۔ نابالغ اور غیر عاقل کا ہاتھ بھی نہیں کاٹا جائے گا۔ اسی طرح اور بہت سی صورتیں ہیں جن میں چوری کا واقعہ ہونے کے باوجود ہاتھ نہیں کاٹا جاتا۔

اسلام میں انسان کا اور اس کے "ہاتھ" کا جتنا احترام ہے کسی بھی دوسرے نظام میں اس سے زیادہ تصور نہیں کیا جا سکتا۔ مثال کے طور پر کوئی شخص ظلماً کسی کا ہاتھ کاٹ دے تو اس کو ایک انسان کے قتل کی دیت کا نصف (پچاس اونٹ) مقطوع الید کو دینا پڑتا ہے۔ پیغمبر اسلام کے پاس ایک بار ایک

دیہاتی آیا، سلام کے بعد آپ نے اس سے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا تو اس نے معذرت کی اور کہا کہ میرا ہاتھ موٹا کام کرنے کی وجہ سے سخت و درشت ہو گیا ہے۔ آپ نے بڑھ کر اس کے ہاتھ کو چوم لیا اور فرمایا، جو ہاتھ محنت کی کمائی سے سخت ہو جائے، اس ہاتھ کو اللہ اور رسول بہت پسند کرتے ہیں۔

قرآن میں جہاں چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا گیا ہے وہاں اس کا مقصد "نکال" بتایا گیا ہے۔ یعنی عبرت۔ اس سے واضح ہے کہ اس سخت سزا کا اصل مقصد عبرت یا سبق ہے۔ یعنی لوگوں کو جرم سے روکنا سماج کے اندر سے مجرمانہ ذہنیت کو ختم کرنا۔

جرم کی سزا کے بارہ میں اسلام کا یہ اصول بہ ظاہر سخت معلوم ہوتا ہے۔ مگر نتیجہ کے اعتبار سے دیکھئے تو وہ انسانی معاشرہ کے حق میں بہت بڑی رحمت ہے۔ اس اصول کے تحت صرف وہی افراد سزا پاتے ہیں جو واقعی مجرم ہیں جب کہ مجرمین کو سخت سزا نہ دینے کی صورت میں مجرمین کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور اس کی قیمت معاشرہ کو یہ دینی پڑتی ہے کہ اس کے اچھے افراد وہ سزا پانے لگتے ہیں جو سزا صرف برے افراد کو ملنی چاہیے۔

مجرمین اچھے اور برے لوگوں میں فرق نہیں کرتے، وہ صرف اپنی خواہش اور اپنے مفاد کو دیکھتے ہیں۔ چنانچہ اکثر وہ سماج کے نہایت قیمتی افراد کو مار ڈالتے ہیں یا ان کے ہاتھ پاؤں توڑ کر انھیں اپاہج بنا دیتے ہیں۔ یہ صورت حال ایسے ہر سماج میں جاری رہتی ہے جہاں مجرمین کو سخت سزا کا اندیشہ نہ ہو۔

اسلام سماج کے برے افراد کو سخت سزا دیتا ہے تاکہ سماج کے اچھے افراد بچ جائیں۔ اس کے برعکس دوسرے سماجوں میں برے افراد کو ہلکی سزا دی جاتی ہے یا انھیں چھوڑ دیا جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ سماج کے اچھے افراد کو اپنا شکار بناتے ہیں۔

برے افراد کے لیے نرم قانون بنانا قانون سازی کی نفی ہے۔ کیوں کہ قانون کا مقصد جرم کو ختم کرنا ہے اور نرم قانون سازی سے وہ اور زیادہ بڑھ جاتا ہے۔

خوف واحد چیز ہے جو کسی مجرم کو جرم سے روکنے کا سبب بنتا ہے۔ اگر قانونی نظام سے خوف کا عنصر نکال دیا جائے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ مجرم جرم کے لیے دلیر ہو جائے گا۔ اسلامی قانون مجرم کی حوصلہ شکنی کرتا ہے اور وضعی قانون مجرم کی حوصلہ افزائی۔

اس کے باوجود

قرآن میں اہل ایمان کی صفت یہ بتائی گئی ہے کہ جب انھیں غصہ آتا ہے تو وہ معاف کر دیتے ہیں۔ (واذا ما غضبوا هم يغفرون) یہ ایک معلوم بات ہے کہ ایک آدمی کو جب کسی شخص کے اوپر غصہ آئے تو اس کے نفس کے اندر زبردست ہیجان پیدا ہو جاتا ہے۔ ایسی حالت میں معاف کرنا اسی وقت ممکن ہے جب کہ آدمی اپنے جذبات کو دبائے۔ اس حقیقت کو شامل کر کے دیکھا جائے تو مذکورہ قرآنی آیت کا پورا مطلب یہ ہوگا کہ ـــــ وہ غصہ کے وقت لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں خواہ اس کے لیے انھیں اپنے جذبات کو دبانا پڑے اور اپنے نفس کو کچلنے کی نوبت آجائے۔

اسی طرح جب بھی کوئی بات کہی جائے یا کوئی حکم دیا جائے تو اس میں کچھ الفاظ مذکور ہوتے ہیں اور کچھ الفاظ غیر مذکور۔ دین میں غور و فکر کا حکم اسی لیے دیا گیا ہے کہ آدمی حکم کی گہرائی کو جاننے کی کوشش کرے وہ مذکور سے گزر کر غیر مذکور تک پہونچ جائے۔

جب یہ کہا جائے کہ سچ بولو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ سچ بولنے میں نقصان نظر آتا ہو تب بھی سچ بولو۔ یہ کہا جائے کہ امانت کو ادا کرو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ امانت کو ادا کرنا تم پر شاق ہو تب بھی تم امانت کو ادا کرو۔ یہ کہا جائے کہ لوگوں کے ساتھ انصاف کرو۔ تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ انصاف کرنا تمہاری خواہش کے خلاف ہو تب بھی تم انصاف کرو۔

جب یہ کہا جائے کہ روزہ میں نہ کھاؤ تو اس جملہ میں یہ بات اپنے آپ شامل رہتی ہے کہ بھوک کے باوجود نہ کھاؤ۔ یہی پوری شریعت کا معاملہ ہے۔ شریعت کے ہر حکم پر عمل کرنے کے لیے آدمی کو اسی قسم کی قربانی دینی پڑتی ہے۔

انفاق کے حکم کا مطلب یہ ہے کہ مال کی محبت کے باوجود انفاق کرو۔ دعوت پہونچانے کے حکم کا مطلب یہ ہے کہ مدعو کی طرف سے ایذا رسانی کے باوجود اسے دعوت پہونچاؤ۔ حق کا اعتراف کرنے کے حکم کا مطلب یہ ہے کہ ذاتی بڑائی ٹوٹنے کے باوجود حق کا اعتراف کرو۔

اسی طرح ہر حکم میں مذکور الفاظ کے ساتھ کچھ غیر مذکور الفاظ ہوتے ہیں۔ آدمی پر لازم ہے کہ وہ ان غیر مذکور الفاظ کو پڑھے۔ جو شخص ایسا نہ کرے وہ کسی بھی حکم پر صحیح عمل نہیں کر سکتا۔

مذہب کے دروازہ پر

ڈاکٹر فرڈ ہائل مشہور سائنس داں ہے۔ اس کی ایک کتاب ہے جس کا نام ہے " ذہین کائنات" ڈھائی سو صفحہ کی اس کتاب میں مصنف نے دکھایا ہے کہ کائنات کا جدید سائنسی مطالعہ حیرت انگیز طور پر اس ذہن کی تردید کرتا ہے جو انیسویں صدی میں قائم کیا گیا تھا۔ پہلے یہ سمجھ لیا گیا تھا کہ کائنات محض بے شعور مادہ کی اندھی کارفرمائی ہے۔ مگر بیسویں صدی کے آخر میں سائنس کے مختلف شعبوں میں جو تحقیقات ہوئی ہیں وہ واضح طور پر بتا رہی ہیں کہ کائنات محض ایک مادی کائنات نہیں، وہ ایک " ذہین کائنات " ہے۔ یہاں اندھے مادی عمل کے بجائے ہر طرف ذہن کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔

ان تفصیلات کو قلم بند کرتے ہوئے مصنف نے ایک بڑی عبرت انگیز بات لکھی ہے۔ مصنف کا یہ پورا پیراگراف ہم انھیں کے لفظوں میں نقل کرتے ہیں :

> This indeed is just what orthodox scientists are unwilling to admit. Because there might turn out to be — for want of a better word — religious connotations, and because orthodox scientists are more concerned with preventing a return to the religious excesses of the past than in looking forward to the earth, the nihilistic outlook described above has dominated scientific thought throughout the past century.
>
> Fred Hoyle, *The Intelligent Universe*
> Michael Joseph Limited
> 44 Bedford Square, London WCI. 1983, p. 9

(زمین سے باہر کی طاقت کی کارفرمائی کی پہاڑ جیسی شہادتیں ملنے کے باوجود) یہ وہ چیز ہے جس کو راسخ العقیدہ سائنس داں تسلیم کرنا نہیں چاہتے۔ کیوں کہ انھیں یہ اندیشہ ہے کہ اس کا مذہبی مطلب نکل آئے گا۔ راسخ العقیدہ سائنس داں سچائی کو پانے سے زیادہ اس کے لیے فکرمند ہیں کہ وہ ماضی میں ہونے والے مذہبی مظالم کے اعادہ کو روکیں۔ مذکورہ منکرانہ نقطۂ نظر پوری گزشتہ صدی میں سائنسی خیالات پر چھایا رہا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ دور جدید میں علوم فطرت کے مطالعہ نے انسان کو مذہب کے دروازہ پر پہونچا دیا ہے۔ مگر جدید انسان جس کی پرورش عیسائی روایات میں ہوئی ہے وہ اپنی مخصوص تاریخ کی وجہ سے مذہب کے دروازے میں داخل ہونے سے ہچکچا رہا ہے۔ " مذہب " کا تصور آتے ہی اس کو سولھویں

اور سترھویں صدی کے وہ مظالم یاد آنے لگتے ہیں جب کہ یورپ میں سائنس کا آغاز ہوا اور عیسائی مذہب اس کو کچلنے کے لیے کھڑا ہوگیا۔ یہ جدید انسان مذہب کے نام سے صرف عیسائیت کو جانتا ہے اور عیسائیت اس کے نزدیک ایسے بے معنی عقائد کا مجموعہ ہے جس کے اندر یہ طاقت نہیں کہ وہ علم کا سامنا کرسکے۔

سرفرڈ ہائل نے اپنی مذکورہ کتاب ذہین کائنات (The Intelligent Universe) میں لکھا ہے کہ اٹھارویں صدی عیسوی میں پختہ مذہبی فکر نے یہ کیا کہ زمین کی پوری تاریخ کو بائبل کی روشنی میں چند ہزار سال کے اندر محدود کر دیا۔ اس نقطۂ نظر کی واضح غلطی پہلی بار جیمس ہیوٹن (۱۷۲۶-۱۷۹۷) کی تحقیقات سے ظاہر ہوئی جو پختہ مذہبی لوگوں کے سخت خلاف تھی اور اب بھی وہ ان کے سخت خلاف ہے۔ جیمس ہیوٹن نے اپنی ساری عمر زمین اور چٹانوں کے مطالعہ میں گزاری۔ اس کی تحقیقات نے بتایا کہ پہاڑوں اور وادیوں کے بننے میں کروروں سال لگے ہیں۔ عظیم ارضیات داں چارلس لائل (۱۷۹۷-۱۸۷۵) کی تحقیقات نے ہیوٹن کے نتائج کو مزید موکد کیا۔ لائل کی کتاب ارضیات کے اصول (Principles of Geology) ۱۸۳۰ میں چھپی۔ یہ کتاب سب سے بڑی وجہ تھی جس نے لوگوں کو مطمئن کر دیا کہ زمین کی عمر کے بارہ میں بائبل کا بیان غلط ہے، وہ اس قابل نہیں کہ سنجیدہ غور و فکر میں اس کا حوالہ دیا جاسکے۔ (صفحہ ۲۹-۲۸)

زمین کی عمر (اور اس طرح دوسری چیزوں کے بارے میں) بائبل غیر معتبر ثابت ہوئی تو لوگوں نے یقین کرلیا کہ وہ مذہبی امور کے بارہ میں بھی غیر معتبر ہے۔ یہ تاثر یہاں تک پہونچا کہ لوگوں نے خود مذہب ہی کو غیر معتبر چیز سمجھ لیا۔ مذہب کی غلط نمائندگی کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ خود مذہب کو غلط اور ناقابل اعتبار سمجھنے لگے۔

حقیقت یہ ہے کہ اب آخری طور پر وہ وقت آگیا ہے کہ دنیا کو اسلام سے متعارف کیا جائے عیسائیت کی خرابیاں تحریف کی وجہ سے پیدا ہوئیں۔ اسلام چوں کہ تحریف سے پاک ہے اس لیے وہ ان خرابیوں سے بھی پاک ہے۔ اسلام کو اگر اس کی حقیقی شکل میں جدید انسان کے سامنے لایا جائے تو بے شمار لوگ اس پر لبیک کہیں گے، کیوں کہ ان کے لیے یہ عین وہی چیز ثابت ہوگی جس کا وہ اپنی فطرت اور اپنے علم کے تقاضے کے تحت پہلے سے انتظار کر رہے ہیں۔ بائبل نے انھیں مذہب سے دور کیا تھا، اسلام دوبارہ انھیں مذہب سے قریب کرنے کا سبب بن جائے گا۔

آہ یہ مسلمان

ہندستان ۱۹۴۷ میں آزاد ہوا۔ اس کے ساتھ ہی ملک میں فرقہ وارانہ فسادات شروع ہو گیے۔ جن کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔ اندازہ ہے کہ پچھلے ۴۰ سال میں یہاں تقریباً دس ہزار فسادات ہو چکے ہیں۔

ہندستان کا تقریباً ہر فرقہ وارانہ فساد مسلمانوں کی بے صبری سے شروع ہوتا ہے۔ مسلمان اپنی مخصوص نفسیات کی بنا پر چھوٹی سی خلاف مزاج بات پر مشتعل ہو جاتے ہیں۔ اور اس کے بعد معلوم اسباب کے تحت وہ دو قوموں کا مسئلہ بن جاتا ہے۔ دونوں کے درمیان ٹکراؤ شروع ہوتا ہے جس میں نقصان ہمیشہ مسلمانوں کے حصہ میں آتا ہے۔

ان فسادات کو ابھارنے کی سب سے زیادہ ذمہ داری مسلم قائدین پر ہے۔ مسلمانوں میں جتنے بھی لکھنے اور بولنے والے ہیں سب متفقہ طور پر جہاد کی باتیں کرتے ہیں۔ وہ مسلمانوں کے اندر برابر لڑنے کا مزاج بناتے رہتے ہیں۔ ان میں سے کسی کو بھی نہیں معلوم کہ قرآن میں صبر کی بھی آیتیں ہیں۔ تاہم دوسروں کو اپنی زبان و قلم سے جہاد پر ابھارنے والے یہ لوگ خود ہمیشہ جہاد کے میدان سے دور رہتے ہیں۔ ہندستان کے فرقہ وارانہ فسادات میں اب تک بے شمار مسلمان مارے جا چکے ہیں مگر ان میں سے کسی فساد میں کوئی مسلمان قائد اب تک مارا نہیں گیا نہ کوئی چھوٹا قائد اور نہ کوئی بڑا قائد۔

مسلم قائدین صرف دوسروں کو للکارنے کے لیے بہادر ہیں، وہ خود لڑنے اور مرنے کے لیے بہادر نہیں۔

دوسری طرف مسلم عوام کا حال یہ ہے کہ وہ ذرا ذرا سی بات پر مخالف فرقہ کے ساتھ ہنگامہ آرائی شروع کر دیتے ہیں۔ ان سے صبر اور اعراض کی بات کیجیے تو وہ فوراً جواب دیں گے کہ اگر ہم نے صبر اور اعراض کا طریقہ اختیار کیا تو مخالف طاقتیں دلیر ہو جائیں گی۔ مگر عملاً کیا ہوتا ہے۔ عملاً صرف یہ ہوتا ہے کہ مسلمان ابتدائی مرحلہ میں بے صبر ہو کر لڑ جاتے ہیں۔ اس کے بعد جب وہ جلائے پھونکے جاتے ہیں اور پولیس آکر وحشیانہ طور پر انھیں کچلنے لگتی ہے تو وہی مسلمان بالکل دوسرے مسلمان بن جاتے ہیں۔ فساد کے آغاز میں مسلمان چپ ہونے کے لیے تیار نہیں ہوتے مگر فساد کے خاتمہ پر ہر مسلمان نہایت بزدلانہ طور پر عین اسی مقام پر خاموش ہو جاتا ہے جہاں اس سے پہلے وہ کاغذ اور مائک کا شیر بنا ہوا تھا ——— کاش مسلمان جانتے کہ بزدلی دکھا کر چپ ہونے سے بہتر یہ ہے کہ آدمی بزدلی دکھائے بغیر چپ ہو جائے۔

بدگمانی

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ کہتے ہیں کہ وہ اس وقت موجود تھے جب کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ حنین کے بعد مالِ غنیمت کو لوگوں کے درمیان تقسیم کیا۔ اس سلسلے کی ایک طویل روایت کا ایک حصہ یہ ہے :

جاء رجل من بنی تمیم یقال لہ ذو الخُویصرۃ. فوقف علیہ وھو یعطی الناس۔ فقال یا محمد قد رأیت ما صنعت فی ھذا الیوم۔ فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم، اجل فکیف رأیت۔ فقال لم اَرَکَ عَدَلتَ۔ (سیرۃ ابن ہشام، الجزء الرابع، صفحہ ۱۴۴)	بنو تمیم کا ایک شخص آیا جس کا نام ذو الخُویصرہ تھا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھڑا ہو گیا۔ اور آپ اس وقت لوگوں کو دے رہے تھے۔ اس نے کہا کہ اے محمد، میں نے دیکھ لیا جو آپ نے آج کے دن کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں، پھر تم نے کیا دیکھا۔ اس نے کہا کہ میں نے نہیں دیکھا کہ آپ نے انصاف کیا ہو۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ عُیینہ بن حصن مدینہ آئے اور اپنے بھتیجے حُر بن قیس کے یہاں ٹھہرے۔ پھر وہ خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ کے یہاں اجازت لے کر حاضر ہوئے۔ جب وہ آئے تو انھوں نے کہا :

ھی یا ابن الخطاب، فواللّٰہ ما تعطینا الجزل ولا تحکم فینا بالعدل۔ (ریاض الصالحین صفحہ ۱۱۳)	اے خطاب کے لڑکے، خدا کی قسم آپ نہ ہم کو کچھ دیتے ہیں اور نہ ہمارے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کرتے ہیں۔

مذکورہ دونوں الزام یقینی طور پر غلط تھے۔ پھر بھی دو معصوم ترین روحوں پر الزام لگانے کے لیے لوگوں نے الفاظ پا لیے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس دنیا میں کسی کے ملزم ثابت ہونے کے لیے یہ کافی نہیں کہ کچھ لوگ اس کے خلاف کچھ الفاظ پا لیں۔ لوگوں کو بہر حال اس قسم کے الفاظ ملتے رہیں گے کہ وہ جس کو بدنام کرنا چاہیں بدنام کریں۔ یہاں تک کہ قیامت کا زلزلہ آئے اور لوگوں سے ناحق کلام کرنے کی آزادی چھین لے۔

کرنے کا کام

امیر تبلیغ مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ تھا کہ وہ کسی جماعت کو دین کے راستہ میں بھیجتے تو روانگی کے وقت اس کو یہ نصیحت کرتے :

نیچی نظر، دل میں فکر، زبان پر ذکر،
قدم ملا کر چلو گے تو منزلیں آسان ہو جائیں گی۔

اگر لفظ بدل کر کہا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ——— سنجیدگی، احساس ذمہ داری، اللہ کی عظمت کا اقرار اور اتحاد، یہ چیزیں جن لوگوں کے اندر پیدا ہو جائیں، وہ ضرور کامیاب ہوں گے۔

یہ انتہائی اہم بات ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ امت کے فرد فرد میں یہ شعور جگانا اور ایک ایک شخص کے اندر یہ جذبہ بھرنا یہی اصل کام ہے۔ اسی میں آخرت کی بھلائی ہے اور اسی میں دنیا کی بھلائی بھی۔

قوم یا خارجی نظام کا بذات خود کوئی مستقل وجود نہیں۔ اصلی اور مستقل وجود صرف فرد کا ہے۔ فرد کے مجموعہ کا نام قوم ہے۔ اور فرد کی کارکردگی کا نام نظام۔ اس لیے فرد کو بنانا قوم کو بنانا ہے اور فرد کی اصلاح گویا پورے نظام کی اصلاح ہے۔

اس حقیقت کو سامنے رکھیے تو وہی کام کام ہے جو فرد کو نشانہ بنا کر کیا جائے۔ جس کام میں نظام یا حکومت کو نشانہ بنایا گیا ہو وہ صرف ایک ہنگامہ ہے، وہ باعتبار حقیقت کوئی کام نہیں۔ جو چیز آپ اجتماع کی سطح پر چاہتے ہیں اس کو آپ اسی وقت حاصل کر سکتے ہیں جب کہ آپ اس کو فرد کی سطح پر حاصل کر چکے ہوں۔ فرد کی اصلاح کے بغیر اصلاح معاشرہ اور انقلاب حکومت کا نعرہ لگانا یا تو لیڈری ہے یا دیوانگی۔ اس کے سوا اس کی کوئی تیسری توجیہہ نہیں کی جا سکتی۔

فرد فرد کے اندر وہ گہرا ایمان پیدا کیجئے کہ تواضع سے اس کی نظریں جھک جائیں۔ آخرت کی جواب دہی کا احساس اس کے سینہ میں تڑپ بن کر داخل ہو جائے۔ اللہ کی عظمت اس کے اوپر اتنی چھائے کہ وہ اس کو ہر وقت یاد کرنے والا بن جائے۔ اس کی بے نفسی اس کو لوگوں کے ساتھ متحد کر دے۔ افراد کے اندر اگر یہ اوصاف آجائیں تو اس کے بعد بقیہ چیزیں اسی طرح لازمی طور پر آئیں گی جس طرح ایک زندہ درخت کے اوپر پھل۔

امتحان کے لیے

امتحان ہال میں طالب علم کو بہت سی چیزیں ملی ہوئی ہوتی ہیں ـــــ بلڈنگ، میز، کرسی، ملازم کاغذ اور بہت سی دوسری چیزیں۔ وہ بلا روک ٹوک ان چیزوں کا استعمال کرتا ہے۔ وہ آزادانہ طور پر ان کے درمیان اپنی نشست پر بیٹھتا ہے۔

بلڈنگ اس کو سردی اور گرمی سے بچاتی ہے۔ میز اور کرسی اس کو آرام کے ساتھ بیٹھنے کی جگہ فراہم کرتے ہیں۔ کاغذ اور دوسرے سامان اس کو موقع دیتے ہیں کہ وہ جس طرح چاہے ان کو استعمال کرے اور جو چاہے کاغذ کے صفحہ پر مرتسم کرے۔

مگر یہ سب کچھ جو طالب علم کو ملتا ہے وہ امتحان کے طفیل میں ملتا ہے۔ وہ صرف اس وقت تک کے لیے اس کا ہے جب تک امتحان کی مدت پوری نہ ہو جائے۔ جیسے ہی امتحان کی مدت ختم ہوتی ہے اس سے وہ سب کچھ چھین لیا جاتا ہے جو اس کو اب تک بے روک ٹوک ملا ہوا تھا، جو دیکھنے والوں کو اس کا ذاتی اثاثہ دکھائی دے رہا تھا۔

ایسا ہی کچھ معاملہ موجودہ دنیا میں انسان کا ہے۔ یہاں آدمی کو بظاہر بہت سی چیزیں ملی ہوئی ہیں۔ وہ سمجھتا ہے کہ وہ آزاد ہے کہ جس طرح چاہے یہاں رہے اور جس طرح چاہے اپنی ملی ہوئی چیزوں کو استعمال کرے۔

مگر یہاں جو کچھ انسان کے پاس ہے وہ سب امتحان کے طفیل میں ہے۔ خدا موجودہ دنیا میں آدمی کا امتحان لے رہا ہے۔ اور اس امتحان کے تقاضے کے تحت وہ بہت سی ضروری چیزیں انسان کو دے دیتا ہے۔ مگر یہ آدمی کے پاس صرف اس وقت تک ہے جب تک امتحان کی مدت ختم نہ ہو جائے۔ امتحان کی مدت ختم ہوتے ہی اچانک اس سے سب کچھ چھن جائے گا۔ وہ آدمی جو آج بظاہر سب کچھ پائے ہوئے ہے وہ اس وقت بالکل بے کچھ ہو جائے گا۔ اس دن وہ اس مسافر کی طرح ہوگا جس کو اچانک لق و دق صحرا میں ڈال دیا جائے۔ وہ اس انسان کی طرح ہوگا جس کو لامتناہی خلا میں بالکل بے سہارا چھوڑ دیا جائے۔

موجودہ حالت اور اگلی حالت کے درمیان صرف موت کی غیر مرئی دیوار حائل ہے۔

خود ساختہ اسلام

ایک نوجوان طالب علم کے ساتھی نے طالب علم کا تعارف کراتے ہوئے کہا " ان کو طلبہ کی اسلامی تحریک سے بہت دل چسپی ہے۔ وہ طلبہ کی اسلامی سرگرمیوں میں کافی حصہ لیتے ہیں اور آج کل مسلم طلبہ کے ایک تنظیم کے سکریٹری بھی ہیں۔ اس وقت وہ پانچ ضلع کو کور (Cover) کر رہے ہیں "

یہ لیڈروں کی ایک نئی قسم ہے جو مسلمانوں کے درمیان بہت بڑے پیمانے پر پیدا ہو گئی ہے۔ مسلمانوں میں آج کل بے شمار ایسے لیڈر ملیں گے جن میں سے کوئی پانچ ضلع کو کور کر رہا ہوگا کوئی پانچ ریاست کو، کوئی پانچ ملک کو کور کر رہا ہوگا کوئی پانچ براعظم کو، حتیٰ کہ موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کی خوش قسمتی اس حد کو پہونچی ہے کہ انھوں نے اپنے لیے ایسے لیڈر پالیے ہیں جو ساری کائنات کو کور کر رہے ہوں :

ہے حقیقت اس کے دیں کی احتساب کائنات

مسلمانوں کے درمیان آج کل لیڈروں کی اتنی کثرت ہے کہ جتنے مسلمان ہیں شاید اتنے ہی ان کے درمیان لیڈر بھی ہوں۔ مگر یہ لیڈر سب کے سب وہ ہیں جو "دوسروں" کو کور کر رہے ہیں۔ ان میں کوئی بھی ایسا لیڈر نظر نہیں آتا جو خود اپنے آپ کو کور کر رہا ہو۔ موجودہ زمانہ کے مسلمانوں میں احتساب غیر کی دھوم ہے مگر احتساب خویش ان کے اندر اتنا کمیاب ہے کہ ڈھونڈنے سے بھی کہیں نظر نہیں آتا۔

یہ اسلام جس کی آج کل کے مسلمانوں میں دھوم ہے بلاشبہ وہ اسلام نہیں جس کی تعلیم خدا اور رسول نے دی ہے۔ یہ مسلمانوں کا اپنا بنایا ہوا اسلام ہے جس کا قرآن وحدیث سے کوئی تعلق نہیں۔

قرآن وحدیث کے مطابق حقیقی مومن وہ ہے جو اپنے آپ کو کور کرے۔ مومن اللہ سے ڈرنے والا ہوتا ہے وہ جہنم کے اندیشہ سے کانپ رہا ہوتا ہے۔ یہی ایمان کی اصل ہے۔

ایسا ایمان کسی کے اندر پیدا ہو جائے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی ساری توجہ اپنے آپ پر لگ جاتی ہے۔ اپنے آپ کو حق پر کھڑا کرنا اس کا سب سے بڑا مسئلہ بن جاتا ہے۔ اور جو لوگ اپنے آپ کو حق پر کھڑا کرنے والے ہوں وہی اپنے باہر بھی حق کو کھڑا کرتے ہیں۔ اس کے برعکس جو لوگ صرف یہ جانتے ہوں کہ انھیں دوسروں کے خلاف حق کا جھنڈا لے کر کھڑا ہونا ہے وہ صرف دنیا کے فساد میں اضافہ کریں گے وہ دنیا کی تعمیر کرنے والے نہیں بن سکتے۔

فکری انقلاب

عن محمد بن جبیر بن مطعم عن ابیه قال سمعت النبی صلی اللہ علیه وسلم یقرأ فی المغرب بالطور۔ فلما بلغ هذه الآیة (ام خُلقوا من غیر شئ ام هم الخالقون ام خَلقوا السماوات والارض بل لایوقنون ام عندهم خزائن ربک ام هم المصیطرون) کاد قلبی ان یَطیرَ (بخاری ومسلم)

محمد بن جبیر بن مطعم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ وہ نماز مغرب میں سورہ طور پڑھ رہے تھے۔ جب آپ اس آیت تک پہونچے (کیا وہ خالق کے بغیر پیدا ہوگیے ہیں یا وہ خود ہی خالق ہیں۔ کیا انھوں نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا ہے۔ بلکہ وہ یقین نہیں رکھتے۔ کیا ان کے پاس خدا کی رحمت کے خزانے ہیں یا وہی اس پر داروغہ ہیں) جب میں نے اس کو سنا تو قریب تھا کہ میرا دل اڑ جائے۔

حضرت جبیر بن مطعمؓ بدر کی جنگ تک اسلام نہیں لائے تھے۔ وہ بدر کے واقعہ کے بعد اپنے قیدیوں کو چھڑانے کے لیے مکہ سے مدینہ آئے۔ اس وقت وہ مشرک تھے۔ مدینہ کے زمانہ قیام میں ان پر یہ تجربہ گزرا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز کی امامت کر رہے تھے۔ آپ نے نماز میں سورہ طور پڑھی۔ جُبیرؓ بن مطعم کے کان میں آواز آئی تو وہ اس کو سننے لگے۔ جب آپ اس کو پڑھتے ہوئے مذکورہ آیتوں تک پہونچے تو اس نے ان کے شعور کو اس طرح جھنجھوڑا کہ ان کے اندر ایک ہلچل پیدا ہوگئی۔ ان کا دل ان کے سینہ میں اڑنے لگا۔

جبیر بن مطعم اس وقت مشرک تھے۔ مگر اب ان کا ذہن توحید کی طرف مڑ گیا۔ وہ اپنا محاسبہ کرنے لگے اور شرک و توحید کے فرق پر غور کرتے رہے۔ یہاں تک کہ حق ان پر واضح ہوگیا۔ انھوں نے شرک کو چھوڑ کر توحید کو اپنا دین بنا لیا۔ اصحاب رسول سب اسی قسم کے لوگ تھے۔ وہ شعوری انقلاب کے ذریعہ اسلام میں آئے تھے۔ بعد کو ایسے لوگ اسلام کے حامل بنے جن کو پیدائشی اتفاق نے مسلمان بنا دیا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ پیدائشی اتفاق وہ کردار پیدا نہیں کر سکتا جو فکری انقلاب کے ذریعہ پیدا ہوتا ہے۔

تاریخ ساز عمل

ہجرت کے بعد مخالفین کی جارحیت کی بنا پر جنگوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ ایک کے بعد ایک جنگیں ہو رہی تھیں مگر فیصلہ نہیں ہو رہا تھا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶ھ میں مخالفین سے یک طرفہ شرائط پر صلح کر لی۔ اسی صلح سے فتح کا دروازہ کھلا۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا: فتح حدیبیہ سے بڑی کوئی فتح اسلام میں نہیں ہوئی (ماکان فتح اعظم فی الاسلام من فتح الحدیبیۃ)

مگر صلح حدیبیہ پر راضی ہونا انتہائی مشکل معاملہ تھا۔ کیوں کہ یہ ایک ایسی صلح تھی جو دشمنوں کی اپنی شرائط پر کی گئی تھی۔ چنانچہ ایک حضرت ابو بکر کو چھوڑ کر تمام کے تمام صحابہ اس کے مخالف ہوگئے حضرت عمر فاروقؓ نے بعد کے زمانہ میں ایک شخص سے کہا:

لقد صالح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اھل مکۃ علی صلح واعطاھم شیئاً لوان نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اَمَّرَ علیَّ امیراً فصنع الذی صنع نبی اللہ ماسمعتُ ولا اطعتُ. وکان الذی جعل لھم انَّ من لحق من الکفار بالمسلمین ردّوہ ومن لحق بالکفار لم یردُّوہ

(کنز العمال)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ والوں سے صلح کی اور ان کو کچھ چیزیں دیدیں۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اوپر کسی کو امیر بنایا ہوتا اور وہ امیر وہ کرتا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تو میں نہ سنتا اور نہ مانتا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے جو کچھ مقرر کیا اس میں سے یہ تھا کہ کافروں میں سے جو شخص مسلمانوں سے مل جائے تو مسلمان اس کو لوٹا دیں گے اور مسلمانوں میں سے جو شخص کافروں کو ملے تو کافر اس کو نہیں لوٹائیں گے۔

دور اول کے مسلمانوں نے تاریخ کی سب سے بڑی کامیابی حاصل کی۔ مگر اس سب سے بڑی کامیابی تک پہونچنے کا راز اس ناقابل برداشت کو برداشت کرنا تھا کہ ـــــ اپنی جو چیز دشمنوں کے قبضہ میں چلی جائے اس کو واپس لینے پر اصرار نہ کریں۔ اور دشمنوں کی جو چیز اپنے قبضہ میں ہو اس کو دوبارہ واپس کرنے پر راضی ہو جائیں۔

نصیحت کا اثر

قال سفیان بن حسین ۔ ذکرتُ رجلاً بسوءٍ عند ایاس بن معاویة ۔ فنظر فی وجهی فقال ۔ اغزوتَ الروم ۔ قلت لا ۔ قال السند والهند والترك ۔ قلت لا ۔ قال افسَلِمَ منك الروم والسند والهند و الترك ولم یَسلم منك اخوك المسلم ۔ قال فلم اعد بعدها

(البدایة والنهایة)

سفیان بن حسین کہتے ہیں ۔ میں نے ایاس بن معاویہ کے پاس ایک شخص کا ذکر برائی کے ساتھ کیا ۔ انھوں نے میری طرف دیکھا اور کہا ۔ کیا تم نے روم سے جہاد کیا ہے ۔ میں نے کہا نہیں ۔ انھوں نے کہا کیا تم نے سندھ اور ہند اور ترک سے جہاد کیا ہے ۔ میں نے کہا نہیں ۔ انھوں نے کہا پھر کیا روم اور سندھ اور ہند تو تم سے محفوظ رہے اور تمہارا بھائی مسلمان تم سے محفوظ نہ رہ سکا ۔ سفیان بن حسین کہتے ہیں کہ اس کے بعد پھر میں نے اس بات کو نہیں دہرایا ۔

قال ابن ابی حاتم قدم سفیان الثوری المدینة فسمع المعافری یتکلم ببعض ما یضحك به الناس فقال له یا شیخ اما علمت ان لله تعالیٰ یومًا یخسر فیه المبطلون ۔ قال فما زالت تعرف فی المعافری حتی لحق بالله تعالیٰ

(تفسیر ابن کثیر، الجزء الرابع، صفحہ ۱۵۱)

ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ سفیان ثوری مدینہ آئے انھوں نے معافری کو سنا کہ وہ کچھ ایسی باتیں کہتے ہیں جس سے لوگ ہنسیں ۔ سفیان ثوری نے ان سے کہا کہ اے شیخ ، کیا تم کو نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ کا ایک دن ہے جب کہ باطل لوگ گھاٹے میں رہیں گے ۔ راوی کہتے ہیں کہ یہ نصیحت معافری میں پہچانی جاتی رہی یہاں تک کہ وہ اللہ سے جا ملے ۔

آدمی کا احساس زندہ ہو تو وہ نصیحت کو سن کر فوراً چونک اٹھتا ہے اور اپنی اصلاح کر لیتا ہے ۔ مگر جن لوگوں کا احساس مردہ ہو جائے ۔ وہ نصیحت کو سنتے ہیں مگر نصیحت ان کے اندر کوئی تڑپ پیدا نہیں کرتی ۔ نصیحت سننے کے بعد بھی ان کا وہی حال رہتا ہے جو نصیحت سننے سے پہلے ان کا حال تھا ۔

تیسری آنکھ

حضرت عمر فاروقؓ کا قول ہے : من لم ینفعہ ظنہ لم تنفعہ عینہ (جس شخص کا گمان اسے فائدہ نہ دے اس کی آنکھ بھی اس کو فائدہ نہیں دے سکتی) یعنی جو آدمی سوچ کر نہ سمجھے وہ دیکھ کر بھی نہیں سمجھ سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو چیز آنکھ سے دکھائی دیتی ہے وہی ساری بات نہیں ہوتی ہمیشہ ظاہری مشاہدہ کے سوا بھی کچھ باتیں ہوتی ہیں۔ آدمی اگر مشاہدہ کے ساتھ ان مزید باتوں کو نہ ملا سکے تو وہ بات کی حقیقت کو سمجھ نہیں سکتا۔

مثلاً علامہ اقبال انجمن حمایت اسلام (لاہور) کے جلسوں میں نظمیں پڑھا کرتے تھے۔ ان جلسوں میں مسلمان جوق در جوق آتے تھے۔ یہ دیکھ کر انھوں نے کہہ دیا :

نہیں ہے ناامید اقبال اپنی کشتِ ویراں سے ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

مگر بعد کو جب مسلم قوم کے بارہ میں ان کو مزید تجربات ہوئے تو انھوں نے کہا :

تیرے محیط میں کہیں گوہرِ زندگی نہیں ڈھونڈ چکا میں موج موج دیکھ چکا صدف صدف

مولانا ابو الاعلیٰ مودودی نے پاکستان میں غلاف کعبہ (۱۹۶۳) اور یوم شوکت اسلام (۱۹۷۰) کے جلوس نکالے۔ اس میں وہاں کے مسلمان لاکھوں کی تعداد میں شریک ہوئے۔ یہ دیکھ کر مولانا مودودی نے سمجھ لیا کہ پاکستان کے ۹۹ فی صد مسلمان اسلام چاہتے ہیں۔ وہ اسلامی نظام کا نعرہ لے کر الکشن میں کود پڑے مگر چار الکشنوں میں حصہ لینے کے باوجود انھیں پانچ فی صد سے زیادہ ووٹ نہیں ملے۔ اسی طرح ہندستان میں آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت نے ۱۹۶۶ میں اپوزیشن کے ساتھ مل کر یہ تحریک چلائی کہ کانگریس کو الکشن میں ہراؤ۔ اس وقت جلسوں اور جلوسوں میں مسلمانوں کی زبردست بھیڑ دکھائی دینے لگی۔ مسلم قائدین نے یہ اعلان کر دیا کہ ہندستان کے مسلمان اپنے تمام اختلافات کو مٹا کر ایک پلیٹ فارم پر متحد ہو گئے ہیں۔ مگر الکشن کے ختم ہوتے ہی مسلمانوں کا "عظیم الشان اتحاد" ختم ہو چکا تھا اور اسی کے ساتھ خود قائدین کا اپنا اتحاد بھی۔

حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا میں دو آنکھ کے ساتھ "تیسری آنکھ" کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس آدمی کے پاس تیسری آنکھ نہ ہو وہ دیکھنے کے بعد بھی نہیں دیکھے گا، وہ جاننے کے بعد بھی جاننے سے محروم رہے گا۔

الفاظ مل گئے

اچاریہ رَج نیش اپنے آپ کو دولت مندوں کا گرو (Guru of the rich) کہتے ہیں۔ انھوں نے ساری دنیا میں اپنے لاکھوں معتقد پیدا کر لیے۔ مغرب کے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں میں ان کی مقبولیت کا خاص راز یہ ہے کہ وہ آزاد جنسی تعلق (Free sex) کے لیے خوبصورت نظریاتی جواز فراہم کرتے ہیں۔ وہ آزاد جنسی تعلق کے نہ صرف مبلغ ہیں بلکہ خود بھی اس پر باقاعدہ عامل ہیں۔

اپنے ایک انٹرویو (السٹریٹڈ ویکلی آف انڈیا ۲۹ ستمبر ۱۹۸۵) میں رَج نیش نے فخر کے ساتھ کہا کہ میں سب سے زیادہ عورتوں سے محبت کرتا ہوں۔ اس معاملہ میں میں پاک باز نہیں ہوں۔ آپ میری داڑھی دیکھ سکتے ہیں۔ یہ اتنی جلد سفید ہو گئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے بہت سرگرم جنسی زندگی گزاری ہے۔ میں نے ۵۰ سال کے اندر ۲۰۰ سال کو نچوڑا ہے :

You can see my beard. It has become grey so quickly. Because I have lived so intensely. That I have compressed in 50 years almost 200 years.

اچاریہ رَج نیش نے امریکہ میں بہت بڑا مرکز قائم کیا تھا۔ مگر نومبر ۱۹۸۵ میں وہ گرفتار کر لیے گیے اور پھر وہاں سے نکال دیئے۔ اس کے بعد وہ ہندستان آئے۔ پھر نیپال گیے۔ اس کے بعد وہ اچانک یونان چلے گیے۔ یونان کے آرتھوڈاکس چرچ نے ان کو عوام کے لیے خطرہ (A public menace) بتایا۔ اور ان کے شاگردوں کو جنسی بدمستیوں (Sex orgies) کا مجرم قرار دیا۔ چرچ نے اعلان کیا کہ اگر ان لوگوں نے ملک نہ چھوڑا تو ان کو سنگ سار کیا جائے گا۔

چنانچہ ۵ مارچ ۱۹۸۶ کو یونان کی پولیس نے ان کو ملک بدر کر دیا۔ اس کے بعد رَج نیش اپنے امیر ساتھیوں کے ہمراہ ایک خصوصی جہاز پر سوار ہو کر اسپین پہونچ گیے :

The Bhagwan said at Athens airport. that Greeks had learned nothing since Socrates was executed in 399 BC for corrupting Greek youth and preaching false gods.

بھگوان رَج نیش نے ایتھنز ائرپورٹ پر کہا کہ یونان کا فلسفی سقراط ۳۹۹ ق م میں اس جرم میں ہلاک کر دیا گیا تھا کہ وہ نوجوانوں کو بگاڑتا ہے اور جھوٹے مذہب کی تبلیغ کرتا ہے۔ اس کے بعد

ہے اب تک یونانیوں نے کوئی سبق نہیں سیکھا۔ (ٹائمس آف انڈیا ۶۔ ۷ مارچ ۱۹۸۶)

رَج نیش نے یونان سے نکالے جانے کے وقت سقراط کا حوالہ اس طرح دیا ہے گویا کہ ان کا معاملہ بھی وہی ہے جو قدیم یونانی فلسفی سقراط کا معاملہ تھا۔ حالاں کہ سراسر دھاندلی ہے، دونوں کا معاملہ اتنا مختلف ہے کہ ایک کو دوسرے سے کوئی نسبت نہیں۔

سقراط (۳۹۹۔۴۷۰ ق م) قدیم یونان کے تین بڑے فلسفیوں (سقراط، افلاطون، ارسطو) میں سے ایک تھا۔ اس کو حکومت کے فیصلہ کے تحت زہر کا پیالہ پینا پڑا۔ مگر یہ سراسر ظلم کا فیصلہ تھا، سقراط مسلّمہ طور پر ایک بے قصور آدمی تھا۔

سقراط، تاریخی ریکارڈ کے مطابق، نہایت پاکباز آدمی تھا۔ اس کے شاگرد افلاطون نے اس کی بابت لکھا ہے کہ وہ اپنے وقت کا سب سے زیادہ صالح اور بے غرض آدمی تھا، رَج نیش کا کا جرم خود غلط ہونا ہے۔ جب کہ سقراط کا معاملہ یہ تھا کہ وہ خود نہایت صحیح آدمی تھا، اس کو صرف اس لیے مجرم قرار دیا گیا کہ وہ مجرم لوگوں کو مجرم کہتا تھا۔

سقراط کے زمانہ میں یونان کا سماج بہت بگڑا ہوا تھا۔ سقراط اس کے خلاف تبلیغ کرتا تھا۔ وہ ظاہری نمائش کے اندر چھپے ہوئے فاسد اخلاق کی پردہ دری کرتا تھا۔ سقراط خدا پر گہرا عقیدہ رکھتا تھا۔ مگر وہ یونانیوں کے مشرکانہ اوہام پر سخت تنقید کرتا تھا، سقراط کی ان باتوں کی زد وہاں کے بڑے لوگوں پر پڑتی تھی۔ چنانچہ وہ لوگ سقراط پر بگڑ گیے اور انھوں نے اس پر جھوٹے الزام لگا کر اس کو مجبور کیا کہ وہ اپنے ہاتھ سے زہر کا پیالہ پیئے۔ برٹانیکا (۱۹۸۴) کے الفاظ میں، اس کے خلاف فرد جرم دو چیزوں پر مشتمل تھی ——— نوجوانوں کو بگاڑنا۔ اور جن دیوتاؤں کو شہر کے لوگ پوجتے ہیں ان کو نظر انداز کرنا:

There were two accounts in the accusation: corruption of the young, and neglect of the gods whom the city worships (16/1001-1002).

حقیقت یہ ہے کہ سقراط کے برعکس، رج نیش مسلّمہ طور پر ایک غلط آدمی ہے، اس کے باوجود اس کو اپنی صفائی کے لیے الفاظ مل گیے۔ اس دنیا میں ہر آدمی کو اسی طرح اپنی صفائی کے لیے الفاظ ملتے رہیں گے، خواہ باعتبار حقیقت وہ کیسا ہی مجرم کیوں نہ ہو۔ قیامت کے بھونچال سے پہلے کسی شخص سے اس کی یہ آزادی چھننے والی نہیں۔

معنی نہ کہ الفاظ

عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال: من جلس فی مجلس فکثر فیہ لغطہ فقال قبل ان یقوم من مجلسہ: سبحانک اللھم وبحمدک اشھد ان لا الہ الا انت استغفرک واتوب الیک، الا غفر اللہ لہ ما کان فی مجلسہ ذالک (ترمذی، نسائی)

حضرت ابوہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جو آدمی کسی مجلس میں بیٹھا۔ وہاں زور زور سے باتیں ہوئیں پھر اس مجلس سے اٹھنے سے پہلے اس نے کہا، اے اللہ تو پاک ہے اور تیری حمد ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، میں تجھ سے بخشش چاہتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ تو اس مجلس میں جو باتیں ہوئیں، اللہ ان کے لیے اسے معاف کر دیتا ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان "الفاظ" کو زبان سے کہہ دینے کی وجہ سے اللہ اسے معاف کر دیتا ہے یہ معافی دراصل ادائگی معنی کی بنا پر ہوتی ہے نہ کہ محض ادائگی الفاظ کی بنا پر۔

یہ اس شخص کا حال بیان ہوا ہے جس کے دل میں اللہ کا ڈر موجود ہو۔ ایسا شخص جب کچھ لوگوں کے ساتھ بیٹھتا ہے اور وہاں کسی موضوع پر گفتگو ہوتی ہے تو گفتگو کے درمیان کبھی اس پر غفلت طاری ہو جاتی ہے۔ وہ زور زور سے بولتا ہے، وہ لوگوں سے غیر ضروری تکرار کرنے لگتا ہے۔

تاہم ابھی مجلس ختم نہیں ہوتی کہ اس کو احساس ہو جاتا ہے کہ میں نے غلط کیا۔ میں نے بے فائدہ کلام کیا۔ اس وقت اس کے دل میں شرمندگی کا جذبہ جاگ اٹھتا ہے۔ وہ اپنے اندر ہی اندر اپنا احتساب کرنے لگتا ہے۔ اس سے پہلے وہ بندوں سے مخاطب تھا۔ اب وہ اپنے رب سے مخاطب ہو جاتا ہے۔ اس وقت اس کی زبان سے اس قسم کے کلمات نکل پڑتے ہیں جس کا ایک نمونہ اوپر کی حدیث میں نظر آتا ہے۔ حدیث کے یہ الفاظ حقیقۃً دعا کے معنی کو بتا رہے ہیں نہ کہ محض دعا کے الفاظ کو۔

توہم پرستی

قدیم زمانہ میں زندگی کا سارا نظام توہماتی عقیدوں پر قائم تھا۔ لوگوں کے درمیان عجیب عجیب بے بنیاد خیالات رائج تھے۔ علم الافلاک کی ایک کتاب میں بتایا گیا ہے کہ قدیم زمانہ میں جب کبھی سورج گرہن ہوتا تھا تو چین کے لوگ سمجھتے تھے کہ سورج کو ایک بہت بڑا اژدہا نگل رہا ہے۔ ملک کی پوری آبادی مل کر زیادہ سے زیادہ شور مچاتی تھی تاکہ سورج کو بچایا جا سکے۔ اور وہ ہمیشہ کامیاب ہوتی تھی :

When an eclipse occurred, the Chinese thought that the Sun was being swallowed by a huge dragon. The whole population joined in making as much noise as possible to scare it away. They always succeeded!
Iain Nicolson, *Astronomy*, 1978.

جیسا کہ معلوم ہے، سورج گرہن یا چاند گرہن ہمیشہ ایک متعین وقت کے لیے ہوتا ہے، اس وقت کے بعد وہ لازماً چھوٹ جاتا ہے۔ اس فلکیاتی قاعدہ کی بنا پر گرہن اپنے وقت پر چھوٹ جاتا تھا۔ مگر قدیم چین کے جاہل عوام بطور خود یہ سمجھتے تھے کہ ان کے چلانے اور شور مچانے کی وجہ سے اژدہا نے اس کو چھوڑ دیا ہے۔

توہمات کی یہ قسم موجودہ زمانہ میں ختم ہو گئی۔ مگر اس نوعیت کے دوسرے توہمات بدستور پوری شدت کے ساتھ آج کی دنیا میں بھی پائے جاتے ہیں۔ آج بھی یہ صورت حال بہت بڑے پیمانہ پر ساری دنیا میں موجود ہے کہ ایک واقعہ جو خارجی اسباب کے تحت آزادانہ طور پر پیش آیا ہے اس کو بطور خود اپنی طرف منسوب کر لینا۔ مثلاً موجودہ زمانہ میں ساری دنیا میں مذہب کا احیاء ہوا ہے۔ احیاء کے یہ مناظر ہر مذہب میں پائے جاتے ہیں۔ اس کے متعین عالمی اسباب ہیں اور اس پر بڑی بڑی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ اس سلسلے میں ایک کافی معلوماتی مقالہ انگریزی جریدہ ایپین (دسمبر ۱۹۸۴) میں چھپا تھا جس کا عنوان تھا : مذہب کی طرف واپسی (A Return to Religion) مگر آپ کو ایسے خوش فہم لوگ ملیں گے جو اس ہونے والے واقعہ کو اپنے "مفکر اعظم" کے نام سے منسوب کر لیں گے اور فخر کے ساتھ کہیں گے کہ جدید عہد ہمارے مفکر کا پیدا کردہ عہد ہے، وہی اس نئے عہد کا ہیرو ہے۔

توہم پرستی دنیا کا سب سے بڑا مذہب ہے۔ اس کی ایک قسم ختم ہوتی ہے تو انسان کا زرخیز ذہن دوسری توہم پرستی ایجاد کر لیتا ہے۔ توہم پرستی شاید قیامت سے پہلے ختم ہونے والی نہیں۔

تاریخ کی آواز

حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت کے زمانہ میں ۱۴ھ میں ایران فتح ہوا۔ اس زمانہ میں لوگوں کے ذہن پر ایرانی شہنشاہ کی اتنی عظمت تھی کہ حضرت عمرؓ اس مہم کی سربراہی کے لیے خود مدینہ سے روانہ ہونے کے لیے تیار ہو گیے۔ مگر لوگوں نے اس کے خلاف مشورہ دیا۔ چنانچہ ایک صحابی حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو اس مشکل مہم کا سپہ سالار بنایا گیا۔

اس مہم کا آخری معرکہ قادسیہ کے قریب ایک میدان میں ہوا۔ یہاں میدانِ جنگ کے کنارے ایک قدیم شاہی عمارت تھی۔ حضرت سعدؓ اس کی چھت پر چڑھے اور میدان کی طرف رخ کر کے تکیہ کے سہارے بیٹھ گیے۔ وہ جنگ میں خود شریک نہیں ہوئے۔ اپنی جگہ خالد بن عرفطہ کو میدان مقابلہ کا سردار مقرر کیا۔ حضرت سعد عمارت کے اوپر بیٹھے ہوئے مسلسل جنگ کا مشاہدہ کر رہے تھے اور حسب ضرورت اپنی ہدایات پرچی پر لکھ کر خالد بن عرفطہ کے پاس بھیجتے رہتے تھے۔

یہ جنگ اسلامی تاریخ کی انتہائی ہولناک جنگ تھی۔ اس جنگ میں ایرانی ہاتھیوں کی فوج لائے تھے جن کا اس سے پہلے عربوں نے تجربہ نہیں کیا تھا۔ ایک موقع پر ہاتھیوں کی کالی آندھی نے مسلمانوں کو پیچھے ہٹا دیا۔ حضرت سعد یہ دیکھ کر بے تاب ہو گیے اور بار بار کروٹیں بدلنے لگے۔ حضرت سعد کی اہلیہ سلمیٰ جو اس وقت ان کے پاس تھیں، یہ دیکھ کر بول اٹھیں "کاش آج مثنیٰ ہوتا"۔ حضرت سعد نے سلمیٰ کو تھپڑ مار کر کہا۔ "مثنیٰ ہوتا تو وہ کیا کر لیتا"۔ سلمیٰ نے جواب دیا۔ "سبحان اللہ، بزدلی کے ساتھ غیرت بھی"۔ سلمیٰ نے یہ بات اس لیے کہی کہ حضرت سعدؓ خود لڑائی میں شریک نہیں تھے۔

اس کے بعد تاریخ لمبی تفصیل بیان کرتی ہے کہ کس طرح مسلمانوں نے ایران کی فوجی تیاریوں کا مقابلہ کیا اور بالآخر شاندار فتح حاصل کی۔

اس جنگ میں ایرانیوں کا سردار رستم تھا۔ رستم کو ہلال نامی ایک مسلمان سپاہی نے قتل کیا۔ اگرچہ فردوسی نے غلطی سے یہ سمجھا ہے کہ رستم کا مقابلہ حضرت سعد سے ہوا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے شاہنامہ میں لکھا ہے:

زیک سوئے رستم زیک سوئے سعد

حضرت سعدؓ کے براہِ راست جنگ میں شریک نہ ہونے کی وجہ سے اس وقت فوج کے اندر کافی چہ میگوئیاں ہوئیں۔ ایرانیوں کی شکست کے بعد ایک مسلمان فوجی نے نظم کہی جس کے دو اشعار یہ تھے :

وَقَاتَلْتُ حَتّٰی اَنْزَلَ اللّٰهُ نَصْرَهُ ۔۔۔ وَسَعْدٌ بِبَابِ الْقَادِسِيَّةِ مُعْصِمُ

فَاُبْنَا وَقَدْ اٰمَتْ نِسَاءٌ كَثِيْرَةٌ ۔۔۔ وَنِسْوَةُ سَعْدٍ لَيْسَ فِيْهِنَّ اَيِّمُ

میں لڑا یہاں تک کہ اللہ نے اپنی مدد بھیجی۔ اور سعد قادسیہ کے دروازے سے چپٹے رہے۔ پھر ہم واپس ہوئے اور بہت سی عورتیں بیوہ ہو چکی تھیں۔ اور سعد کی بیویوں میں سے کوئی بیوی بیوہ نہیں ہوئی۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نہایت جلیل القدر صحابی تھے۔ وہ اسلام کے بڑے بڑے مجاہدوں میں شامل تھے۔ لیکن مذکورہ واقعہ کو اگر اس کی ظاہری صورت میں لیا جائے تو ایک شخص یہ رائے قائم کرے گا کہ نعوذ باللہ وہ ایک بزدل آدمی تھے۔ انھوں نے دوسروں کی عورتوں کو بیوہ بنایا اور خود اپنی بیوی کے ساتھ شاہی قلعہ میں محفوظ بیٹھے رہے۔

مگر یہ شبہ صرف اس وقت ہوتا ہے جب کہ اصل واقعہ کو ادھوری شکل میں دیکھا جائے۔ واقعہ کو پوری شکل میں دیکھیے تو یہ شبہ باقی نہ رہے گا۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص کو عرق النسار کی بیماری تھی۔ اور وقفہ وقفہ سے اس کے دورے پڑتے رہتے تھے۔ ایرانی جنگ کی ابتدا میں وہ ٹھیک حالت میں تھے۔ چنانچہ قادسیہ کے آخری معرکہ سے پہلے دوسری جنگوں میں وہ براہ راست شریک رہے۔ مگر قادسیہ کے معرکہ کے موقع پر ان کو عرق النسار کا شدید دورہ پڑا ہوا تھا۔ وہ اس وقت چلنے پھرنے سے بالکل معذور تھے۔ اس بنا پر مقابلہ میں براہِ راست شریک نہیں ہو سکتے تھے۔ مگر ان کے جنگی تجربات اور ان کی اعلیٰ ذہانت کی وجہ سے حضرت عمرؓ نے ان کو بدستور سپہ سالاری کے عہدہ پر باقی رکھا۔ اگرچہ وہ عملی طور پر جنگ میں شریک نہ تھے مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ ان کی رہنمائی اور ان کی منصوبہ بندی ہی کی وجہ سے اس معرکہ کا فیصلہ مسلمانوں کے حق میں ہوا۔

ان کی جنگی ذہانت کا ایک ثبوت یہ ہے کہ انھوں نے عین معرکہ کے وقت ایران کی ہاتھیوں کی فوج کا حل دریافت کیا جس نے کالی آندھی کی طرح مسلمانوں کو روندنا شروع کر دیا تھا۔ عرب ذہن کے لیے یہ بالکل ایک نیا مسئلہ تھا اس لیے وہ اس کا حل سوچنے سے عاجز ہو رہے تھے۔ حضرت سعدؓ نے یہ کیا کہ ان ایرانیوں کو بلایا جو پہلے پارسی تھے اور اب مسلمان ہو گئے تھے۔ ان کے نام ضخم اور سلم وغیرہ تاریخوں میں آئے ہیں۔

حضرت سعدؓ نے ان ایرانی نومسلموں سے پوچھا کہ اس کالے طوفان کا کیا علاج ہے۔ انھوں نے بتایا کہ ان کا حل یہ ہے کہ کسی طرح ان کے سونڈ اور ان کی آنکھیں بے کار کر دی جائیں۔

اس کے بعد حضرت سعد نے مسلم فوج سے کچھ خاص جوانوں کو طلب کیا۔ ان کو پوری بات سمجھائی اور ان کو ابھارا کہ تم جان پر کھیل اس مہم کو سر کرو۔ چنانچہ قعقاع اور کچھ دوسرے جوانوں نے دو ہاتھیوں کو منتخب کیا۔ یہ دونوں ہاتھی جسامت میں سب سے بڑے تھے اور بقیہ ہاتھیوں کے لیے سردار کا کام کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک ہاتھی کا نام ابیض تھا اور دوسرے کا نام اجرب۔ مسلم جوانوں نے ان دونوں ہاتھیوں کو نرغے میں لے لیا۔ انھوں نے نہایت پھرتی سے برچھا مار کر ان کی آنکھوں کو بے کار کر دیا۔ اس کے بعد سونڈ پر اتنے زور سے تلوار ماری کہ وہ کٹ کر الگ ہو گئی۔ اب دونوں ہاتھی پیچھے کی طرف بھاگے۔ ان کو دیکھ کر بقیہ ہاتھی بھی ان کے ساتھ مڑ کر پیچھے کی طرف بھاگنے لگے۔ ہاتھیوں کی جو فوج پہلے مسلمانوں کو روندرہی تھی اس نے انتہائی بے دردی کے ساتھ خود ایرانی فوج کو روند ڈالا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص کے مذکورہ واقعہ میں دو بہت بڑے سبق ہیں۔ ایک یہ کہ کسی شخص کے خلاف کوئی بات سامنے آئے تو آدمی کو کبھی ایسا نہیں کرنا چاہیے کہ وہ اس کو فوراً مان لے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ معاملہ کی پوری جانچ کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اصل بات اس سے بالکل مختلف تھی جو بظاہر ابتدائی رپورٹ سے سامنے آئی تھی۔ جس خبر میں کسی کے خلاف بدگمانی کا پہلو ہو اس کو مکمل تحقیق کے بغیر مان لینا سراسر ایمانی تقاضے کے خلاف ہے۔

دوسرا سبق وہ ہے جس کا ثبوت قادسیہ کے موقع پر عرب فوجیوں نے دیا۔ انھیں اپنے سردار سے زبردست شکایت تھی۔ حتی کہ اس شکایت کا اظہار انھوں نے اشعار کی صورت میں کیا اور وہ اشعار تمام فوجیوں کے درمیان پھیل گیے۔ اس کے باوجود ایسا نہیں ہوا کہ لوگ اپنے سردار سے بغاوت کر دیں یا جنگ میں بے جگری کے ساتھ نہ لڑیں۔ سردار سے شکایت کے باوجود وہ اپنا فرض بھرپور طور پر ادا کرتے رہے۔

یہی وہ لوگ ہیں جو تاریخ بناتے ہیں۔ اور جن لوگوں کے اندر یہ مزاج نہ ہو وہ صرف یہ کریں گے کہ آپس میں لڑ بھڑ کر بنتے ہوئے کھیل کو بگاڑ دیں اور ایک جنگ جو جیت پر ختم ہونے والی تھی اس کو شکست اور ناکامی میں تبدیل کر دیں۔

مہر کا مسئلہ

معاشرتی زندگی میں اسلام نے مرد اور عورت کے درمیان ایک متوازن تقسیم قائم کی ہے۔ یہ تقسیم عمل کے اعتبار سے ہے۔ اسلام نے دونوں صنفوں کے درمیان ایک واضح تقسیم عمل کو ملحوظ رکھا ہے۔ اسلام کے مطابق، گھر کو سنبھالنے کی ذمہ داری بنیادی طور پر عورت کے اوپر ہے اور مالیات کی فراہمی کی ذمہ داری بنیادی طور پر مرد کے اوپر۔ تقسیم کار کا یہ اصول جن نصوص سے نکلتا ہے ان میں سے ایک قرآن کی یہ آیت ہے :

الرجال قوّامون علی النساء بما فضل اللّٰہُ بعضھم علیٰ بعض وبما انفقوا من اموالھم فالصالحات قانتات حافظات للغیب بما حفظ اللّٰہ۔

(النساء ۳۴)

مرد عورتوں کے اوپر قوّام ہیں۔ اس بنا پر کہ اللہ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے۔ اور اس بنا پر کہ مرد نے اپنے مال سے خرچ کیا۔ پس جو نیک عورتیں ہیں وہ فرماں برداری کرنے والی، پیٹھ پیچھے نگہبانی کرنے والی ہیں اللہ کی حفاظت سے۔

ہر گھر ایک چھوٹی سی ریاست ہے۔ اس ریاست کا ایک مسئلہ اس کا اندرونی انتظام ہے۔ اور اس کا دوسرا مسئلہ اس کی مالیات (بالفاظ دیگر، خارجی اسباب حیات کی فراہمی) ہے۔ عورت اپنی پیدائشی بناوٹ کے اعتبار سے پہلے کام کے لیے زیادہ موزوں ہے۔ اور مرد اپنی پیدائشی بناوٹ کے اعتبار سے دوسرے کام کی زیادہ بہتر صلاحیت رکھتا ہے۔ اس لیے اسلام کی معاشرتی اور انتظامی تقسیم میں یہ کیا گیا ہے کہ گھر کے داخلی امور کی ذمہ داری بنیادی طور پر عورت پر ڈالی گئی ہے۔ اور گھر کے خارجی امور اور مالیات کی فراہمی کی ذمہ داری بنیادی طور پر مرد کے اوپر ہے۔

نکاح کے وقت ایک مرد مہر کے نام سے جو رقم اپنی بیوی کے حوالے کرتا ہے اس کا تعلق اسی خاص پہلو سے ہے۔ اسلام کے مطابق چوں کہ مرد اصولی طور پر عورت کے اخراجات کا ذمہ دار ہے۔ اس لیے جب وہ ایک عورت سے نکاح کرتا ہے تو وہ نکاح کے ساتھ اس ذمہ داری کو قبول کرتا ہے کہ وہ عورت کے تمام ضروری اخراجات کی کفالت کرے گا۔ مہر اسی کی ایک علامت ہے۔ مرد اپنی بیوی کو مہر کے طور پر ایک علامتی رقم ادا کر کے عمل کی زبان میں اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ وہ اپنی بیوی کی مالیاتی

کفالت کی ذمہ داری لے رہا ہے۔ مہر کی اصل حیثیت یہی ہے۔

مہر معجّل

مہر اصطلاحی طور پر اس رقم (یا کسی متعین چیز) کا نام ہے جو ایک مرد نکاح کے وقت اپنی بیوی کو ادا کرتا ہے۔ اس مہر کا پہلا طریقہ یہ ہے کہ اس کو نکاح کے وقت فوراً ادا کر دیا جائے۔ مہر کی اس قسم کو مہر معجّل کہتے ہیں۔ معجّل کا لفظ عجلت سے بنا ہے۔ یعنی جلد یا بلا تاخیر ادا کی جانے والی مہر۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کے زمانہ میں عام رواج مہر معجّل ہی کا تھا۔ وہ لوگ مختصر مہر باندھتے اور نکاح کے وقت ہی اس کو ادا کر دیتے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی فاطمہ کا نکاح حضرت علیؓ ابن ابی طالب سے کیا۔ اس سلسلہ میں مختلف تفصیلات حدیث کی کتابوں میں آئی ہیں اس کا ایک جزء مہر کے بارہ میں ہے۔ نکاح کی بات طے ہونے کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت علیؓ کے درمیان جو گفتگو ہوئی اس کا ایک حصہ یہ ہے:

فقال وهل عندك من شئ تستحلها به۔ فقلت لا والله يا رسول الله۔ فقال وما فعلت درع سلحتكها۔ فوالذى نفس على بيده انها لحطمية ما قيمتها اربعة دراهم فقلت عندى۔ فقال قد زوجتكها فابعث اليها بها فاستحلها بها۔ فان كانت لصداق فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

(البدایہ والنہایہ، جلد ۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا، کیا تمہارے پاس کوئی چیز (بطور مہر) ہے جس کے ذریعہ تم فاطمہ کو اپنے لیے جائز کرو۔ میں نے کہا کہ نہیں خدا کی قسم اے خدا کے رسول۔ آپ نے کہا کہ وہ زرہ کیا ہوئی جو میں نے تم کو دی تھی۔ (حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ) اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں علی کی جان ہے، وہ زرہ ٹوٹ چکی تھی، اس کی قیمت چار درہم بھی نہ تھی۔ پس میں نے کہا کہ وہ میرے پاس ہے۔ آپ نے کہا کہ میں نے تمہارا نکاح فاطمہ سے کر دیا تو اس زرہ کو فاطمہ کے پاس بھیج دو اور اس کے ذریعہ فاطمہ کو اپنے لیے جائز کرو۔ تو یہ تھا فاطمہ بنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا مہر۔

حضرت ربیعہ اسلمی کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اے ربیعہ تم نکاح کیوں نہیں کر لیتے۔ میں نے کہا کہ میرے پاس کوئی چیز نہیں۔ یہ سوال و جواب کئی بار ہوا۔ آخر

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انصار کے فلاں قبیلہ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو بھیجا ہے اور کہا ہے کہ تم فلاں عورت سے میرا نکاح کر دو۔ چنانچہ میں نے جاکر کہا اور انھوں نے میرا نکاح کر دیا۔ مگر مجھے یہ غم تھا کہ میرے پاس مہر دینے کے لیے کچھ نہیں۔ میں نے واپس آکر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کہا :

فقال رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وسلم یا بُریدۃ الاسلمی اجمعوا لہ وزن نواۃ من ذھب۔ قال فجمعوا لی وزن نواۃ من ذھب۔ فاخذتُ ما جمعوا لی فاتیت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال اذھب بھٰذا الیھم فقل لھم ھٰذا اصداقھا۔ فاتیتُھم فقلت ھٰذا صداقھا فقبلوہ ورضوہ وقالوا کثیر طیب

(البدایۃ والنہایہ جلد ۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ اسلم کے سردار بریدہ اسلمی سے کہا کہ اے بریدہ، تم لوگ اس کے لیے ایک گٹھلی کے ہم وزن سونا جمع کرو۔ وہ کہتے ہیں کہ ان لوگوں نے میرے لیے ایک گٹھلی کے ہم وزن سونا جمع کیا پھر میں نے جو کچھ انھوں نے جمع کیا تھا لیا اور میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کو لے کر ان کے پاس جاؤ اور کہو کہ یہ اس کا مہر ہے۔ پھر میں ان کے پاس گیا اور کہا کہ یہ اس کا مہر ہے انھوں نے قبول کیا اور وہ راضی ہوگیے انھوں نے کہا کہ بہت ہے، اچھا ہے۔

مہر مؤجّل

مہر کی دوسری صورت یہ ہے کہ مرد یہ وعدہ کرے کہ وہ اتنی مدت میں اس کو ادا کر دے گا۔ اس دوسری قسم کی مہر کا شرعی نام مہر مؤجّل ہے۔ مؤجّل کا لفظ اجل (مدّت) سے بنا ہے۔ مہر مؤجّل کا مطلب یہ ہے کہ وہ مہر جس کی ادائیگی کے لیے ایک وقت اور ایک مدّت مقرر کر دی جائے۔ اگر بوقت نکاح فوراً مہر ادا نہ کیا جا رہا ہو تو اسی وقت اس کی ادائیگی کی مدّت کی تعیین ضروری ہے۔

مہر مؤجل کی ایک مثال حضرت موسیٰ کے نکاح میں ملتی ہے۔ قرآن میں بتایا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مصر سے نکل کر مدین پہونچے تو وہاں انھوں نے حضرت شعیب کی صاحبزادی (صفورا) سے نکاح کیا۔ یہ نکاح مہر مؤجل پر ہوا تھا۔ نکاح کی مہر طرفین کی رضامندی سے یہ قرار پائی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے بوڑھے خسر حضرت شعیب کی بکریاں چرائیں۔ اس گلہ بانی کی اجل (مدت) کم سے

کم آٹھ سال زیادہ سے زیادہ دس سال تھی۔ اس کے مطابق حضرت موسیٰ کا نکاح ہوا اور پھر انھوں نے دس سال تک حضرت شعیب کے گھر پر خدمت کی۔ اس طرح مہر موجل کو پورا کرکے وہ دوبارہ مدین سے مصر کے لیے روانہ ہوگئے (القصص)

مہر مؤجل کسی قسم کے غیر متعین مہر کا نام نہیں ہے۔ شرعی اعتبار سے مہر موجل وہ ہے جس کی ادائیگی کی اجل (مدت) بوقت نکاح طے ہو اور وہ اپنے مقررہ وقت پر پوری طرح ادا کر دی جائے۔

فقہاء کی رائے

مہر کا اصل شرعی طریقہ یہ ہے کہ اس کو نکاح کے وقت فوراً ادا کر دیا جائے۔ اسی پر اکثر صحابہ کا عمل رہا ہے۔ گویا اصل مہر وہی ہے جو مہر معجل ہو۔ مہر کی دوسری قسم (مہر مؤجل) دوسرا برابر درجہ کا طریقہ نہیں۔ یہ صرف رخصت کا طریقہ ہے۔ اصلاً مہر کی ایک ہی قسم ہے، اور وہ فوراً ادا کر دینا ہے۔ تاہم بطور رخصت یہ دوسرا طریقہ بھی رکھا گیا ہے تاکہ آدمی حسب ضرورت نکاح کے بعد بھی مقرر مدت پر اس کو ادا کرکے بری الذمہ ہو سکے۔

مہر کے بارہ میں تفصیلی ابواب فقہ کی کتابوں میں آئے ہیں۔ عبدالرحمٰن الجزیری کی کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ میں مہر (مباحث الصداق) پر ۸۵ صفحات ہیں۔ مہر کے مؤجل یا معجل (تأجیل الصداق وتعجیلہ) کے مسائل چار صفحات میں بیان ہوئے ہیں۔ اس بارہ میں اگرچہ فقہاء کے درمیان بعض اختلافات ہیں مگر وہ تمام تر جزئی ہیں۔ ان جزئی اختلافات سے قطع نظر مختلف فقہاء کے اقوال کا خلاصہ صاحب کتاب کے الفاظ میں یہ ہے:

الحنفیۃ: قالوا یجوز تأجیل الصداق وتعجیلہ کلہ او بعضہ۔ ولکن یشترط ان لا یکون الأجل مجہولاً۔	حنفیہ کا کہنا ہے کہ مہر کی تاخیر جائز ہے۔ اس کا کل یا جزء فوری طور پر دیا بھی جا سکتا ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ مدت غیر متعین نہ ہو۔
المالکیۃ: فاذا کان الصداق غیر معین فانہ یجوز کلہ او بعضہ بشرط ان لا یکون الأجل مجہولاً۔	مالکیہ کا قول ہے کہ مہر جب غیر معین ہو تو اس کا کل یا جزء جائز ہے اس شرط پر کہ مدت مجہول (غیر متعین) نہ ہو۔

الحنابلة: قالوا يجوز ان يؤجل الصداق كله او بعضه بشرط ان لا يكون الاجل مجهولاً۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ یہ جائز ہے کہ مہر کا کل یا جزء موخر کیا جائے اس شرط پر کہ مدت مجہول نہ ہو۔

الشافعية: قالوا يجوز تأجيل الصداق بشرط ان لا يكون الاجل مجهولاً سواءٌ كان الموجل كل الصداق او بعضه۔

شافعیہ کا کہنا ہے کہ مہر کی تاخیر جائز ہے اس شرط پر کہ مدت مجہول نہ ہو۔ خواہ مہر کا کل حصہ موجل ہو یا اس کا جزئی حصہ۔

کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ الجزء الرابع، مصر ۱۹۶۹، صفحہ ۱۵۶-۱۵۳

زیادہ مہر نہیں

مہر رقم میں بھی دی جا سکتی ہے اور کسی چیز کی صورت میں بھی۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس کی مقدار حسب استعداد مقرر کی جائے۔ وہ اتنی ہی ہو کہ آدمی سہولت کے ساتھ اس کو اسی وقت ادا کر سکے۔ مہر کی کم سے کم حد کے بارہ میں فقہاء کے مختلف اقوال ہیں۔ تاہم ان کا خلاصہ یہ ہے کہ مہر کی کم سے کم مقدار یہ ہے کہ وہ اتنی ہو کہ اس کے ذریعے سے ضرورت کی کوئی چیز خریدی جا سکے۔ ہر وہ رقم مہر بن سکتی ہے جو کسی چیز کی قیمت ہو (کل ما صح ثمنا صح صداقا، الفقہ علی المذاہب الاربعہ، جلد ۴، صفحہ ۱۰۷)

احادیث میں کوئی بھی ایسی حدیث نہیں جس میں زیادہ مہر مقرر کرنے کی ہمت افزائی کی گئی ہو۔ اس کے برعکس بہت سی روایتیں ہیں جن میں کم مہر مقرر کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اس طرح کے معاملات میں اسلام کا طریقہ ہمیشہ تلقین کا ہوتا ہے نہ کہ تحریم کا۔ چنانچہ زیادہ مہر کو اگرچہ بالکل ممنوع قرار نہیں دیا گیا ہے مگر تمام روایتیں اسی کے حق میں ہیں کہ مہر زیادہ نہ باندھی جائے۔ چند روایتیں یہ ہیں:

عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم خير النساء ايسرهن صداقاً۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: سب سے بہتر عورت وہ ہے جس کا مہر سب سے آسان ہو۔

عن عائشة انه صلى الله عليه وسلم

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت کی

قال : من يُمن المرأة سهل امرها وقلة صداقها ۔

برکت میں سے یہ ہے کہ اس کا معاملہ سہل ہو اور اس کا مہر کم ہو ۔

روی احمد والبیهقی : اعظم النساء برکةً ایسرهن صداقاً

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے زیادہ برکت والی عورت وہ ہے جس کا مہر سب سے آسان ہو ۔

عن ابی سلمة قال سألتُ عائشة کم کان صداق النبیّ صلی اللہ علیه وسلم ۔ قالت کان صداقه لازواجه اثنتی عشر اوقیة ونش ۔ قالت اتدری ما النش ۔ قلتُ لا ۔ قالت نصف اوقیة (رواہ مسلم) فتلك خمس مائة درهم ۔ هذا صداق رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لازواجه ۔ لکن ام حبیبة اصدقها النجاشی عن النبیّ صلی اللہ علیه وسلم اربعة آلاف درهم ۔

(التفسیر المظہری، المجلد الثانی، صفحہ ۵۱)

حضرت عائشہ سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کا مہر کتنا تھا ۔ انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا مہر اپنی بیویوں کے لیے بارہ اوقیہ اور ایک نش تھا ۔ انھوں نے کہا کیا تم جانتے ہو کہ نش کیا ہے ۔ راوی نے کہا کہ نہیں ۔ انھوں نے کہا کہ نصف اوقیہ ۔ یہ تقریباً پانچ سو درہم ہوا ۔ یہی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا مہر اپنی بیویوں کے لیے تھا ۔ لیکن ام حبیبہ کا مہر چار ہزار درہم تھا اور اس کو شاہ نجاشی نے (غائبانہ نکاح) میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے خود مقرر کیا تھا ۔

غیر افضل طریقہ

روایات میں آتا ہے کہ خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ منبر پر چڑھے اور حمد وثنا کے بعد فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ مہر میں کس نے چار سو درہم پر اضافہ کیا ۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کا مہر آپس میں چار سو درہم یا اس سے کم ہوتا تھا ۔ اور اگر مہر میں زیادتی تقوی اور عزت کی بات ہوتی تو تم مہر کے بارے میں ان سے آگے نہیں جا سکتے تھے ۔

دوسری روایت میں ہے کہ خلیفہ دوم نے فرمایا کہ اے لوگو ، تم عورتوں کے مہر زیادہ نہ باندھو ۔ اور مجھے جس شخص کے بارے میں بھی یہ اطلاع ملے گی کہ اس نے رسول اللہ کے مہر سے زیادہ مہر باندھا ہے

یا کسی کو اس سے زیادہ مہر دیا گیا ہے تو میں زیادہ مقدار کو لے کر اس کو بیت المال میں جمع کر دوں گا۔
یہ کہہ کر آپ منبر سے اترے تو قریش کی ایک عورت سامنے آئی۔ اس نے کہا اے امیر المومنین، اللہ کی کتاب زیادہ پیروی کے قابل ہے یا آپ کا قول۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اللہ کی کتاب۔ عورت نے کہا کہ ابھی آپ نے لوگوں کو منع کیا ہے کہ وہ عورتوں کے مہر میں زیادتی نہ کریں۔ اور اللہ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے کہ ــــــ اور اگر تم نے کسی عورت کو زیادہ مال دیا ہے تو (طلاق کے بعد) اس میں سے کچھ نہ لو۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے کہا: ہر ایک عمر سے زیادہ جانتا ہے (کل احدٍ افقہ من عمر) آپ نے یہ فقرہ تین بار کہا۔ اس کے بعد حضرت عمر دوبارہ منبر پر آئے اور لوگوں سے کہا:

انی کنت نہیتکم ان تغالوا فی صداق النساء فلیفعل رجل فی مالہ ما بدالہ (وعند ابی عمر بن فضالۃ فی امالیہ عن عمر قال) لوکان المھر سناءً ورفعۃ فی الآخرۃ کان بنات النبی صلی اللہ علیہ وسلم ونساءہ احق بذلک (کنز العمال)

میں نے تم کو عورتوں کا مہر زیادہ باندھنے سے روکا تھا۔ اب ہر آدمی کو اختیار ہے کہ وہ اپنے مال میں جو چاہے کرے (آپ نے مزید فرمایا) پھر اگر آخرت میں بلندی اور عظمت کی چیز ہوتی تو یقیناً رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں اس کی زیادہ مستحق تھیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ نکاح میں زیادہ مہر باندھنا اگرچہ خالص قانونی اعتبار سے بالکل ممنوع چیز نہیں مگر وہ یقینی طور پر غیر افضل چیز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے مہر کم تھے۔ ان میں سے کسی کے بارے میں بھی یہ ثابت نہیں کہ اس نے اپنا یا اپنی بیٹیوں کا مہر زیادہ مقرر کیا ہو۔

صحابہ کی شادی

دور اول میں شادی کوئی دھوم کی چیز نہ تھی۔ وہ ایک ایسی چیز تھی جس کو بس سادہ طور پر انجام دے لیا جائے۔ اس کے رسوم اور اس کے اخراجات اتنے مختصر ہوں کہ وہ طرفین کے لیے کسی بھی اعتبار سے بوجھ نہ بنے۔ صحابہ کے یہاں شادی کی تقریب ہر قسم کے تکلف اور نمائش سے بالکل خالی ہوتی تھی۔ حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے زیادہ بابرکت

نکاح وہ ہے جس میں کم سے کم بوجھ ہو (اعظم النکاح برکۃ ایسرہ مؤنۃ، مسند احمد) اور کم بوجھ والا نکاح یقیناً وہ ہے جو اپنے موجودہ وسائل کے ذریعے آسانی کے ساتھ ہو جائے۔ نہ کہ وہ جس کا تحمل اس کے وسائل نہ کر سکتے ہوں۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص کا معاملہ آیا جس کا نکاح ایک خاتون سے طے ہوا تھا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ تمہارے پاس مہر دینے کے لیے کیا ہے۔ اس نے کہا کہ کچھ نہیں۔ آپ نے دوبارہ پوچھا۔ اس نے کہا کہ میرے پاس کچھ بھی نہیں۔ اس کے بعد آپ نے اس سے یہ نہیں کہا کہ تم جاکر کسی سے قرض لاؤ اور پھر اس کے ذریعہ سے نکاح کرو۔ بلکہ اگلا سوال آپ نے یہ کیا کہ کیا تمہارے پاس کچھ قرآن ہے (قرآن کا کچھ حصہ تم کو یاد ہے) اس نے کہا کہ ہاں۔ آپ نے فرمایا جاؤ، میں نے قرآن کے اسی محفوظ حصہ کو مہر قرار دے کر اس خاتون کے ساتھ تمہارا نکاح کر دیا (زوجتکہا بما معک من القرآن، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ، جلد ۴، صفحہ ۱۰۷)

مشہور صحابی حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ نے مدینہ میں شادی کی۔ اس وقت مدینہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم موجود تھے۔ مگر انھوں نے اس کی ضرورت نہیں سمجھی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یا دوسرے بڑے صحابہ کو اس موقع پر بلائیں۔ انھوں نے بس خاموشی سے ایک خاتون کے ساتھ نکاح کر لیا اس سلسلہ میں امام احمدؒ نے مفصل روایت نقل کی ہے جس کا ایک حصہ یہ ہے:

فجاء (عبد الرحمٰن بن عوف) وعلیہ ردع زعفران۔ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مَہْیَمْ۔ فقال یا رسول اللہ تزوجت امرأۃ۔ قال ما اصدقتہا۔ قال وزن نواۃ من ذہب۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۳)

حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور ان کے اوپر زعفران کی خوشبو کا اثر تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ میں نے ایک عورت سے نکاح کر لیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے اس کو کتنا مہر دیا۔ انھوں نے کہا کہ کھجور کی گٹھلی کے وزن کے برابر سونا۔

غلط رواج

موجودہ زمانہ میں نکاح کی اصل اسلامی روح تقریباً ختم ہو گئی ہے۔ مسلمانوں میں آج نکاح

کا جو طریقہ عام طور پر نظر آتا ہے وہ اسلامی نکاح سے زیادہ رواجی نکاح ہے۔ اس کا ایک نمونہ مہر ہے لڑکی والے عام طور پر مہر زیادہ باندھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کا مقصد مرد کے مقابلہ میں عورت کے مفاد کی حفاظت ہے۔

ڈکشنری آف اسلام میں اس سلسلہ میں حسب ذیل الفاظ درج ہیں :

The custom of fixing heavy dowers, generally beyond the husband's means, especially in India, seems to be based upon the intention of checking the husband from ill-treating his wife, and, above all, from his marrying another woman, as also from wrongfully or causelessly divorcing the former. For in the case of divorce the woman can demand the full payment of the dower.

The Dictionary of Islam
by Thomas Patrick Hughes, (1979) p. 91

بہت زیادہ مہر باندھنے کا رواج جو شوہر کے ذرائع سے زیادہ ہو، خاص طور پر ہندستان میں، بظاہر اس مقصد سے ہے کہ شوہر کو اس سے روکا جائے کہ وہ بیوی کے ساتھ برا سلوک کرے اور اس سے بھی زیادہ یہ کہ وہ دوسری شادی نہ کر سکے۔ اور مزید یہ کہ وہ غلط طور پر یا بلاسبب اپنی بیوی کو طلاق نہ دے۔ کیوں کہ طلاق کی صورت میں عورت پوری مہر کی ادائیگی کا دعویٰ کر سکتی ہے۔

مذکورہ مقصد کے تحت مہر زیادہ باندھنا اس مفروضہ پر مبنی ہے کہ نکاح کے موقع پر مہر تو مقرر کرنا ہے مگر اس کو ادا نہیں کرنا ہے۔ اگر نکاح کے ساتھ فوراً مہر ادا کر دیا جائے تو مانع طلاق یا اور کسی مانع کی حیثیت سے اس کی اہمیت ختم ہو جائے گی۔ جب مہر خود باقی نہیں رہا تو اس کے مانع ہونے کی حیثیت کیسے باقی رہے گی۔

مگر یہ مفروضہ سراسر اسلام کے خلاف ہے۔ جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا، اسلام میں مہر کی جائز صورتیں صرف دو ہیں۔ ایک مہر معجل، یعنی وہ مہر جو نکاح ہونے کے بعد اسی وقت ادا کر دیا جائے دوسرے مہر مؤجل، یعنی وہ مہر جس کو فوراً ادا نہ کیا جائے بلکہ اس کی ادائیگی بعد کو ہو۔ مگر یہ "بعد" لازمی طور پر متعین ہونا چاہیے۔ یعنی مرد اس کی ادائیگی کی ایک اجل (مدت) مقرر کرے اور اس مدت پر لازماً اس کو ادا کر دے۔ تیسری مروجہ شکل (نکاح کے وقت ادائیگی مہر کی مدت مقرر نہ کرنا) ایک غیر شرعی طریقہ ہے۔ اس کی بنیاد پر جو کچھ کیا جائے وہ بھی یقیناً غیر شرعی ہوگا۔

اب غور کیجئے کہ جب مہر کا اسلامی طریقہ یہ ہے کہ یا تو اس کو فوراً بوقت نکاح ادا کر دیا جائے یا نکاح کے وقت ایک متعین مدت مقرر کی جائے اور اس متعین مدت پر اس کو ضرور ادا کر دیا جائے تو ایسی صورت میں طلاق کو روکنے کے لیے زیادہ مہر مقرر کرنا بالکل بے معنی ہے۔ صرف وہی مہر مانع کا کام کر سکتی ہے جو بلا تعین مدت مقرر کی جائے۔ مگر یہ خود اسلامی طریقہ کے مطابق نہیں۔ مہر کے لیے ادائیگی مدت کی تعیین اپنے آپ اس کو اس اعتبار سے بے اثر کر دیتی ہے کہ وہ مرد کے لیے مانع طلاق کا کام دے۔

مکان بنانے کا کام بنیاد سے شروع ہوتا ہے

اور

قوم بنانے کا کام شعور بنانے سے۔

ماہنامہ الرسالہ قوم کی تعمیر کا یہی بنیادی کام کر رہا ہے۔

وہ افرادِ قوم کا شعور بنانے میں مصروف ہے۔

اس مہم میں ساتھ دینا ایک تاریخ ساز مہم میں ساتھ دینا ہے۔

الرسالہ کو پڑھیے

الرسالہ کو پڑھائیے

اس وقت یہی سب سے بڑا کام ہے جس میں آپ کو لگنا چاہیے۔

یہی آج کی سب سے بڑی مہم ہے جس میں آپ کو ساتھ دینا چاہیے۔

قوم کی تعمیر میں اپنا حصہ ادا کیجئے

ایک گزارش

اسلامی مرکز کے تحت تعمیر ملت اور احیار اسلام کا جو کام ہو رہا ہے وہ خدا کے فضل سے کافی پھیل چکا ہے۔ مگر اسلامی مرکز کے پاس آمدنی کا کوئی مستقل ذریعہ نہیں۔ اس کا کام اب تک ہمدردوں اور متفقین کے تعاون سے چل رہا ہے۔

آپ سے ہماری گزارش ہے کہ آپ اس دینی تعاون میں اپنا حصہ ادا فرمائیں۔ الرسالہ (اردو، انگریزی) کی اشاعت خدا کے فضل سے کافی بڑھ چکی ہے۔ مگر قیمت کم رکھنے کی وجہ سے عملاً وہ خسارہ پر چل رہا ہے۔ اشاعت میں اضافہ صرف اس کے خسارہ میں اضافہ کا باعث ہوتا ہے۔ اس کی تلافی کی واحد صورت یہی ہے کہ اصحاب خیر اپنے تعاون سے اس کے نقصان کو پورا فرمائیں۔ مزید نئی دعوتی اسکیموں کو شروع کرنے کا مسئلہ اس کے علاوہ ہے۔ ان کاموں کے لیے مختلف مد کی رقمیں بھیجی جا سکتی ہیں۔ آپ اپنی رقم بھیجتے ہوئے صراحت فرما دیں کہ وہ کس مد کی رقم ہے۔

وحید الدین خاں
صدر اسلامی مرکز

۱۔ نیویارک کی مذاہب کانفرنس (نومبر ۱۹۸۵) میں دنیا بھر سے تمام مذاہب کے نمائندے شریک ہوئے تھے۔ اس موقع پر تمام مذاہب کے لوگوں سے ربط قائم ہوا تھا۔ چنانچہ تمام نمائندوں کے مکمل پتے حاصل کر لیے گیے تھے۔ ان تمام پتوں پر الرسالہ انگریزی کے شمارے روانہ کیے گیے ہیں۔ اس طرح الرسالہ انگریزی خدا کے فضل سے دنیا کے ہر گوشے میں پہونچ گیا ہے۔

۲۔ مختلف مساجد اور اجتماعی اداروں سے اطلاع مل رہی ہے کہ الرسالہ کا ٹائٹل یا اس کا کوئی مضمون بورڈ پر لکھ کر عوامی جگہ پر آویزاں کر دیا جاتا ہے۔ یہ طریقہ اس قابل ہے کہ ہر جگہ اس کو استعمال کیا جائے۔

۳۔ عصری اسلوب میں اسلامی تعلیمات پیش کرنا اسلامی مرکز کی ایسی امتیازی خصوصیت بن چکا ہے کہ اب جو شخص اس موضوع پر کوئی موثر تقریر یا تحریر پیش کرنا چاہتا ہے وہ اسلامی مرکز کی مطبوعات سے استفادہ کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس کی مثالیں بار بار سامنے آتی رہتی ہیں۔ مثلاً لاہور کے ماہنامہ حکمتِ قرآن (فروری ۱۹۸۶) میں اس کے فاضل ایڈیٹر کے قلم سے ایک خصوصی مضمون شائع ہوا ہے جس کا عنوان ہے "سائنسی منہاج اور جدید فکر" اس مضمون کا بیشتر حصہ ان دو مضامین کی لفظ بلفظ نقل ہے جو ہماری کتاب "مذہب اور سائنس" اور "اسلام اور عصرِ حاضر" میں چھپ چکے ہیں۔ اگرچہ حوصلہ کی کمی وجہ سے مضمون نگار نے نہ صرف یہ کہ اصل کتاب کا حوالہ نہیں دیا ہے بلکہ پورا مضمون خود اپنے نام سے شائع فرمایا ہے۔ قدیم زبان میں اس کو "ادبی سرقہ" کہا جاتا تھا۔ مگر ہم اس کے بجائے اس کو "بلا اعلان اعتراف" کہنا پسند کریں گے۔

۴۔ الرسالہ کے افکار الرسالہ کے علاوہ دوسرے بالواسطہ انداز سے بھی پھیل رہے ہیں۔ ان میں سے ایک طریقہ یہ ہے کہ اردو اور دوسری زبانوں کے متعدد جرائد الرسالہ کے مضامین کو اپنے صفحات میں مسلسل چھاپ رہے ہیں۔ مثلاً پاکستان کا روزنامہ آفاق "نشانِ منزل" کے تحت اپنے خصوصی کالم میں الرسالہ کا ایک مضمون پورے حوالے کے ساتھ مسلسل

شائع کر رہا ہے۔ روزنامہ آفاق بیک وقت لاہور، راول پنڈی، سرگودھا، رحیم یار خاں اور کراچی سے شائع ہوتا ہے۔ وغیرہ

۵۔ حیدر آباد کی سالانہ نمائش (جنوری۔فروری ۱۹۸۶) کے موقع پر اسلامی مرکز کی مطبوعات رکھی گئی تھیں۔ اس کا اہتمام ادبی ٹرسٹ (حیدر آباد) نے کیا تھا۔ معقول تعداد میں کتابیں فروخت ہوئیں اور بہت سے لوگوں نے ان کو دیکھا اور معلومات حاصل کیں۔

"پیغمبر انقلاب" کے بعض حصوں کا ترجمہ مراٹھی زبان میں کیا گیا ہے اور وہ چھپ کر تقسیم ہو رہا ہے۔ اس کے ترجمے اور طباعت و اشاعت کا اہتمام پونہ کی مرکزی شاخ نے کیا ہے۔

۶۔ پونہ میں حلقۃ الرسالہ کے تحت ایک اجتماع ۲۰-۲۱ مارچ ۱۹۸۶ کو ہوا۔ اس میں دہلی سے صدر اسلامی مرکز نے بھی شرکت کی۔

۷۔ الرسالہ اردو اور انگریزی نیز ہماری مطبوعات دن بدن اپنی مقبولیت بڑھاتی جا رہی ہیں۔ بیشتر لوگ اس کو دیکھتے ہی اس کو پسند کر لیتے ہیں اور مستقل طور پر اپنے مطالعہ میں رکھنا پسند کرتے ہیں۔ الرسالہ کے سابق شماروں کی مانگ بھی بڑھتی جا رہی ہے۔ اس سلسلہ میں برابر ہم کو خطوط ملتے رہتے ہیں۔ یہاں دو ہندو بھائی کے خط نقل کیے جا رہے ہیں:

آپ کی کتاب "اللہ اکبر" مجھے اسی جمعرات کو عطا ہوئی۔ میں اس کے مطالعہ میں اس قدر کھو گیا کہ آج صبح یعنی سنیچر وار کو اس کو سارا پڑھ کے ہی دم لیا۔ یہ بھی اسی قادر مطلق کی شان ہے۔ ورنہ اتنی بڑی ضخیم کتاب کو اتنی جلدی پڑھ لینا کوئی آسان کام نہ تھا۔ یقین مانیے کہ خیالات کی روانی کا نازل ہونا بھی عبادت کی راہ میں ایک سٹیج ہے۔ جس میں آپ اس وقت پہونچ چکے ہیں۔ میں آپ کو اس کے لیے بدھائی دیتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ۔ "ہو زورِ قلم اور زیادہ" تاکہ آپ اسی طرح بنی نوع انسان کی خدمت کا فریضہ سرانجام دیتے رہیں۔ اگر آپ کی تحریروں سے ایک بھی غیر مومن، مومن بن گیا تو سمجھ لیجئے کہ آپ کی محنت سپھل ہو گئی۔ آمین۔

Awal, Awal Enterprises, 1, Jangpura Road, Bhogal, New Delhi

۸۔ ایک انگریزی خط (۲۳ فروری ۱۹۸۶) اگلے صفحہ پر نقل کیا جا رہا ہے۔

SHRI TILAK
ADVOCATE

Feb. 23, 1986

The Circulation Manager,
Al-Risala, Monthly,
C-29, Nizamuddin West,
New Delhi-110 013

Dear Sir,

I am interested in your Al-Risala and would like to subscribe to it as from its very first issue.

I would thankfully appreciate if you could kindly let me know if back numbers are available and quote its subscription charges.

Thanking you,

Yours faithfully,

(SHRI TILAK)

Residence
Kesa Sub Station wala Bungalow
2A/407, Azadnagar
Kanpur-208 002
Phone 244549
7 To 9 AM

Chamber
Behind P. P. Office
46 Collectorate
Kanpur-208 001
10 To 5 PM

Office
Sarsaiya Ghat Road
16/61, Civil Lines
Kanpur-208 001
Phone 61536
7 To 9 PM

ایجنسی الرسالہ

ماہنامہ الرسالہ بیک وقت اردو اور انگریزی زبانوں میں شائع ہوتا ہے۔ اردو الرسالہ کا مقصد مسلمانوں کی اصلاح اور ذہنی تعمیر ہے۔ اور انگریزی الرسالہ کا خاص مقصد یہ ہے کہ اسلام کی بے آمیز دعوت کو عام انسانوں تک پہونچایا جائے الرسالہ کے تعمیری اور دعوتی مشن کا تقاضا ہے کہ آپ نہ صرف اس کو خود پڑھیں بلکہ اس کی ایجنسی لے کر اس کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں دوسروں تک پہونچائیں۔ ایجنسی گویا الرسالہ کے متوقع قارئین تک اس کو مسلسل پہونچانے کا ایک بہترین درمیانی وسیلہ ہے۔

الرسالہ (اردو) کی ایجنسی لینا ملت کی ذہنی تعمیر میں حصہ لینا ہے جو آج ملت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ اسی طرح الرسالہ (انگریزی) کی ایجنسی لینا اسلام کی عمومی دعوت کی مہم میں اپنے آپ کو شریک کرنا ہے جو کار نبوت ہے اور ملت کے اوپر خدا کا سب سے بڑا فریضہ ہے۔

ایجنسی کی صورتیں

۱۔ الرسالہ (اردو یا انگریزی) کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے۔ کمیشن ۲۵ فی صد ہے۔ پیکنگ اور روانگی کے تمام اخراجات ادارہ الرسالہ کے ذمے ہوتے ہیں۔

۲۔ زیادہ تعداد والی ایجنسیوں کو ہر ماہ پرچے بذریعہ وی پی روانہ کیے جاتے ہیں۔

۳۔ کم تعداد کی ایجنسی کے لیے ادائگی کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ پرچے ہر ماہ سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں اور صاحب ایجنسی ہر ماہ اس کی رقم بذریعہ منی آرڈر روانہ کردے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ چند ماہ (مثلاً تین مہینے) تک پرچے سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں اور اس کے بعد والے مہینہ میں تمام پرچوں کی مجموعی رقم کی وی پی روانہ کی جائے۔

۴۔ صاحب استطاعت افراد کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ ایک سال یا چھ ماہ کی مجموعی رقم پیشگی روانہ کردیں اور الرسالہ کی مطلوبہ تعداد ہر ماہ ان کو سادہ ڈاک سے یا رجسٹری سے بھیجی جاتی رہے۔ ختم مدت پر وہ دوبارہ اسی طرح پیشگی رقم بھیج دیں۔

۵۔ ہر ایجنسی کا ایک حوالہ نمبر ہوتا ہے۔ خط و کتابت یا منی آرڈر کی روانگی کے وقت یہ نمبر ضرور درج کیا جائے۔

زر تعاون الرسالہ

زر تعاون سالانہ	۳۶ روپیہ
خصوصی تعاون سالانہ	۲۰۰ روپیہ

بیرونی ممالک سے

ہوائی ڈاک	۲۰ ڈالر امریکی
بحری ڈاک	۱۰ ڈالر امریکی

ڈاکٹر ثانی اثنین خاں پرنٹر پبلشر مسئول بنجے کے آفسٹ پرنٹرز دہلی سے چھپوا کر دفتر الرسالہ سی۔ ۲۹ نظام الدین ویسٹ نئی دہلی سے شائع کیا

Regd. No. D(SE) 243
Regd. R.N. No. 28822/76

May 1986
Number 114

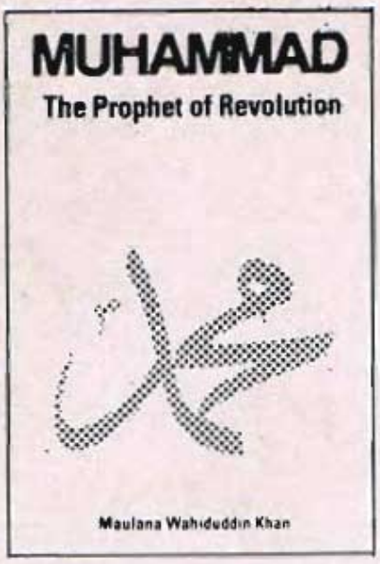

MUHAMMAD

The Prophet of Revolution

By

Maulana Wahiduddin Khan

In making the Prophet Muhammad the greatest figure, and consequently one of the most resplendent landmarks in human history, God has bestowed his greatest favour on mankind. Whoever seeks guidance cannot fail to see him, for he stands out like a tower, a mountain on the horizon, radiating light like a beacon, beckoning all to the true path. It is inevitable that the seekers of truth will be drawn up to the magnificent pinnacle on which he stands.

ISBN 81-85063-00-1 (PB Rs 50 $ 5)
ISBN 81-85063-07-9 (HB Rs 90 $ 9)

Maktaba Al-Risala
C-29 Nizamuddin West New Delhi - 110013